جلد ۸

اصلاحی بیانات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

مکتبۃ الاسلام کراچی

٨

اِصلاحی بیانات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
مولانا محمد قاسم امیر ملتانی
متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی، مدرس جامعہ حمادیہ کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

باہتمام : شاہد محمود
مطبع : القادر پرنٹنگ پریس، کراچی
ناشر : مکتبۃ الاسلام کراچی
کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی
فون : 021-5016664-65
موبائل : 0300-8245793

ملنے کے پتے

- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ایچ ایم سعید، پاکستان چوک، کراچی
- مکتبہ زکریا، بنوری ٹاؤن، کراچی

پیشِ لفظ

(از حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم)

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد!

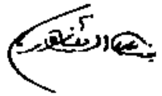
جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں سیدی و استاذی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا بہت نافع اور مفید وعظ ہوتا تھا، احقر بھی اس میں اکثر حاضر ہوتا اور مستفید ہوتا تھا، اس کے بعد حضرت کا یہ وعظ جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں منتقل ہوگیا، اب وہاں اتوار کو بعد نمازِ عصر تا مغرب خواتین و حضرات کے لئے یہ وعظ ہوتا ہے اور جامعہ مسجد بیت المکرّم میں ہر انگریزی مہینہ کی شروع کی دو اتوار کو مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم کا اور آخر کی دو اتوار کو احقر کا بیان ہوتا ہے، احقر کے ہونے والے بیان کو بعض احباب ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لیتے ہیں اور بعض اس کو کیسٹ کے ذریعہ لکھ کر کتابچہ کی شکل بھی دیدیتے ہیں، چنانچہ وہ ایک جلد کے مساوی جمع ہوگئے تو اب ان کو شائع کیا جارہا ہے۔

ان میں سے اکثر بیانات احقر کے نظر ثانی کئے ہوئے ہیں، بعض جگہ

احقر نے کچھ ترمیم بھی کی ہے، اور احادیث کی تخریج کرا کے ان کا حوالہ بھی درج کیا ہے، بہر حال یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تقاریر کا مجموعہ ہے۔

اس سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اگر اس میں کوئی بات غیر مفید یا غیر محتاط ہو تو یقیناً وہ احقر کی کوتاہی ہے، متوجہ فرما کر ممنون فرمائیں!

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان بیانات کو احقر کی اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، ذخیرہ آخرت بنائیں اور مرتب وناشر کو اس خدمت کا بہتر سے بہتر بدلہ دونوں جہاں میں عطا فرمائیں، آمین۔



(بندہ عبدالرؤف سکھروی)

۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

اجمالی فہرست

اصلاحی بیانات

۸

صفحہ نمبر	عنوانات
۷	اُمتِ مسلمہ کے عروج وزوال کا اصل سبب...........
۴۷	اصلاحِ ظاہر و باطن........................
۸۱	اصلاح کے لئے جُہدِ مسلسل کی ضرورت..........
۱۱۹	دعا کی اہمیت اور اس کے آداب..............
۱۵۵	حلم وبُردباری.............................
۱۸۱	صلۂ رحمی کی اہمیت اور تحفہ دینے کے آداب......
۲۱۳	صلۂ رحمی کی برکات اور قطعہ رحمی کے نقصانات.....
۲۴۵	میاں بیوی کے حقوق........................
۲۸۳	فضائلِ شب براۡت..........................

بسم الله الرحمن الرحيم

اُمتِ مسلمہ

کے

عروج وزوال کا اصل سبب

اس میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسلمانوں کی موجودہ پستی اور زوال کے حقیقی اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے، اور اس سے نکلنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبة الاسلام کراچی

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان
۳۴	حضرت داؤد علیہ السلام نبوت اور سلطنت کے جامع
۳۴	حضرت داؤد علیہ السلام کے دو معجزے
۳۴	اس واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق
۳۷	ہماری ذمہ داری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُمتِ مسلمہ
کے
عُروج وزوال کا اصل سبب

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الكريم

امّا بعد!

میرے قابلِ احترام بزرگو! مجھے اس وقت حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب عارفیؒ کی ایک بات یاد آ رہی ہے۔

حضرت عارفیؒ اور ان کی مجالس

حضرت عارفی رحمہ اللہ کراچی میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے، حیدری میں نارتھ ناظم آباد ایچ بلاک میں حضرتؒ رہا کرتے تھے، وہاں ہر جمعہ کو عصر سے مغرب تک حضرتؒ کا بیان ہوا کرتا تھا اور شہر بھر سے بلکہ دوسرے شہروں سے بھی لوگ حضرتؒ کی مجلس میں شریک ہونے کے لئے آیا کرتے تھے۔ مجھے بھی الحمدللہ اس کی توفیق ہوا کرتی

تھی، پیر کے دن بھی حضرتؒ کے ہاں ایک مجلس ہوتی تھی لیکن وہ عام مجلس نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس میں حضرتؒ کے خاص خاص مرید، حضرتؒ کے خلفاء، حضرتؒ سے خصوصی اصلاح کا تعلق رکھنے والوں اور علماء وطلبہ کے لئے بیان ہوتا تھا چنانچہ ہمارے دارالعلوم کراچی سے بھی الحمد للہ علماء کرام کی ایک جماعت پیر کے دن حاضر ہوا کرتی تھی اس میں بھی مجھے الحمدللہ حاضری نصیب ہوتی تھی۔ حضرتؒ نے بارہا اپنی مجالس میں فرمایا کہ بھئی میں باقاعدہ کوئی عالم نہیں ہوں لیکن میں نے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت وصحبت اٹھائی ہے، ان کی خدمت میں میں نے ایک طویل عرصہ گزارا ہے اور ان کی زندگی سے، ان کے بیانات سے اور ان کے مواعظ سے چند اہم اور بنیادی باتیں حاصل کی ہیں بس وہی باتیں آپ لوگوں کے سامنے دہراتا رہتا ہوں اور جو باتیں حضرتؒ بیان کیا کرتے تھے وہ سب وہی باتیں ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس لحاظ سے وہ بڑی اہم ہیں کہ ان کا تعلق ہمارے دورِ حاضر سے ہے، ان باتوں میں سے ایک بات خاص طور سے ہمارے حالاتِ حاضرہ کے متعلق حضرتؒ بڑی کثرت سے بیان فرماتے تھے، آج میرے ذہن میں وہ آرہی ہے جی چاہتا ہے کہ آج وہی بات بیان کردی جائے۔

دستورِ خداوندی

اس بات کو بیان کرنے سے پہلے حضرتؒ ہی یہ ضابطہ بیان فرمایا

کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ دستور چلا آیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، حضرتؒ اپنے الفاظ میں اس کی تعبیر ایکشن اور ری ایکشن سے کیا کرتے تھے کہ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہارے حالات ہوں گے۔ جب سے دنیا چلی ہے جب تک دنیا چلتی رہے گی اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے اور یہ بات بالکل واضح، بے غبار اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے لہٰذا حضرتؒ اس اصول کی روشنی میں اکثر حالاتِ حاضرہ کا ایک منظر پیش فرماتے اور پھر اس کے نتیجے میں جو کچھ پیش آرہا ہے اور پیش آتا رہتا ہے اور جن باتوں سے لوگوں کو سابقہ پیش آتا ہے اور اس میں مبتلا ہوتے ہیں اس کے اوپر حضرتؒ روشنی ڈالتے اور کہتے کہ بھئی یہ حالات ہیں تو یہ ان کا انجام ہے لہٰذا ان حالات سے توبہ کرو تو تمہاری حالت بدل جائے گی۔

قوموں کے عروج وزوال کی اصل وجہ

چنانچہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ''دیکھو! اس وقت امتِ مسلمہ چاہے پاکستان کے مسلمان ہوں، چاہے سعودی عرب کے ہوں، چاہے مصر کے ہوں، چاہے فلسطین کے ہوں، چاہے ہندوستان کے ہوں پوری مسلم اُمت کی کیا حالت زار ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ امتِ مسلمہ پوری دنیا پر چھائی ہوئی تھی، دنیا میں ان کا طوطی بولتا تھا اور آج دنیا میں مسلمان پہلے سے کہیں

زیادہ تعداد میں ہیں، مال ومتاع کے لحاظ سے بھی، جنگی ساز وسامان کے لحاظ سے بھی، غرض ہر لحاظ سے زیادہ ہیں اس کے باوجود انتہائی کمزور، ذلیل و خوار، اور نااتفاقی کا شکار ہیں۔ ان میں بزدلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، انتہائی ذلت اور خواری کی زندگی سے دوچار ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دین پر مضبوطی سے چلنا دنیا میں سربلند ہونے کا نسخہ ہے اور قرآن وسنت کو پس پشت ڈالنا دنیا اور آخرت میں ذلت کا ذریعہ ہے، ذلت کا راستہ ہے۔

مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی چند عام خرابیاں

اب ہماری حالت یہ ہے کہ بس صرف ہمارے نام مسلمانوں جیسے ہیں اور کہیں تو یہ بھی نہیں ہے چنانچہ بعض ملکوں میں مسلمانوں کے نام بھی اسلامی نہیں رہے، جب نام بھی اسلامی نہ رہا تو دین کا کیا حال ہوگا۔ اکثر ایسا ہے کہ بس مسلمانوں کے نام ہیں تھوڑی بہت مسلمانوں کی سی شکل وصورت ہے لیکن اور کوئی دین کی بات ان کے اندر نہیں ہے بلکہ ان کے اندر دین سے ہٹ کر باتیں نہ صرف پائی جاتی ہیں بلکہ مسلمان ان کے عادی ہو گئے ہیں۔ ایسے چند گناہ درج ذیل ہیں:

ا۔ بے پردگی

مثلاً عورتوں کا بے پردہ رہنا، بے پردگی مسلمان عورتوں کا طریقہ

نہیں ہے لیکن اب شرعی پردہ کرنے والی عورتیں دنیا میں کتنی ہیں؟ پوری دنیا میں بھی ان کی تعداد اتنی کم ہوگی کہ بے پردہ عورتوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور صرف بے پردہ ہونے پر بس نہیں بلکہ لباس بھی باریک یا ناقص، ناتمام اور نیم برہنہ، نیم عریاں لباس میں ملبوس مسلمان عورتیں دنیا کے اندر بکثرت موجود ہیں ہر جگہ بے پردگی کا ایک سیلاب ہے اور اس کے نتیجے میں بدنگاہی کا ایک سیلاب ہے، بدکاری کا سیلاب ہے، بے شمار جنسی گناہوں کا ایک طوفان ہے جو دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے۔

۲۔ تصویر کشی

دوسری طرف تصویر کشی اتنی ہے کہ حد و شمار اور بیان سے باہر ہے، ہر جگہ مردوں کی، عورتوں کی تصاویر کھینچنا، کھچوانا، آویزاں کرنا، اشتہارات میں اس کا استعمال کرنا آسمان سے باتیں کر رہا ہے اور تصویر کشی کا سیلاب ہے اور روز بروز فحش سے فحش، گندی سے گندی، بے شرمی، بے حیائی کی تصویریں پھیلتی چلی جارہی ہیں، اپنے ملک میں ہم دیکھ لیں کہ کتنا اس میں زمین و آسمان کا فرق پڑ گیا ہے، پہلے تصویریں کیسی ہوتی تھیں؟ اور اب چوراہوں پر کیسی تصویریں ہیں اور کس جگہ نہیں ہیں؟ اخبارات دیکھو تو رنگین تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، مصنوعات تمام تصاویر سے بھری ہوئی ہیں، ملبوسات

تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، کھانے پینے کی چیزوں کے پیکٹ تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، کتابیں تصویروں سے بھری ہوئی ہیں، آفس، دکانیں اور بازار تصاویر سے بھرے ہوئے ہیں، چوراہوں پر بڑی بڑی مردوں کی، عورتوں کی، بچوں کی، بوڑھوں کی تصاویر لگی ہوئی ہیں، ہر جگہ جانداروں کی تصاویر ہی تصاویر ہیں، جبکہ تصاویر کھینچنا کھنچوانا، بنانا، بنوانا یہ سب حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، سخت عذاب کا باعث ہے اور موجب لعنت اور باعثِ لعنت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ

(مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۸۵)

ترجمہ

''تصویریں بنانے والے لوگ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ کے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔''

۴۔ معاملات میں بددیانتی

اسی طرح مردوں کا ڈاڑھی مونڈوانا اور مردوں کا اپنی شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنا یہ گناہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ پوری دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے، اور کم تولنا، کم ناپنا، دھوکہ دینا یہ ہماری تجارت کا تاج بنا ہوا ہے، اللہ بچائے کہ آج ہماری تجارت میں یہ بات باعث فخر وکمال سمجھی جاتی ہے کہ جو سب سے

زیادہ جھوٹ بولنا جانتا ہو، دھوکہ دینا جانتا ہو، کم تولنے اور کم ناپنے کا ماہر ہو وہ بڑا عقل مند، تجربہ کار، اور ہوشیار مانا جاتا ہے اور جو سچ بولتا ہو، صحیح صحیح تولتا ہو وہ بدھو اور بے وقوف کہلاتا ہے یعنی جو صحیح کاروبار کرے، شریعت کے مطابق کاروبار کرے وہ تو دقیانوسی، پاگل اور بے وقوف ہے اور جو دھوکہ دے، جیب کاٹ لے، کم تولے، کم ناپے، ملاوٹ کرے اور دو نمبر کی چیز کو ایک نمبر کہہ کر بیچے، تو یہ بہت ہوشیار ہے، اور یہ جانتا ہے کہ مارکیٹ کس طرح چلتی ہے اور کاروبار کس طرح ہوتا ہے یعنی جو گناہ تھا وہ خوبی بن گیا اور جو خوبی تھی وہ گناہ بن گئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

۴۔ سود اور دیگر ناجائز ذرائعِ آمدنی

سودخوری کتنی عام ہو چکی ہے کہ اب یہ معاملہ ''کریلا نیم چڑھے'' کا مصداق ہو گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ سود کی ایک اسکیم انعامی بانڈز کی ہے اور اس انعامی بانڈ میں ایک پرچیوں کا کاروبار ہوتا ہے، یہ پرچیوں کا کاروبار آج کل اتنا بڑھ گیا ہے کہ جس شہر میں جاؤ وہاں لوگ یہ کہتے ہیں کہ بھئی پرچیوں نے تو پوری مارکیٹ کو ٹھنڈا کر دیا ہے، لوگ نہ دوکان پر بیٹھتے ہیں، نہ ملازمت کرتے ہیں بس پرچیوں سے کھیل رہے ہیں، دس دس روپے، بیس بیس روپے، پچاس پچاس روپے اور سو سو روپے کی پرچیاں لے لیں، اب اگر پچاس روپے میں دس لاکھ کا انعام لگ گیا تو پانچ سال کا انتظام ہو گیا

اور اگر نہ نکلا تو صرف پچاس ہی گئے اور آئے تو پانچ لاکھ یا دس لاکھ آ گئے۔

پرچی کے کاروبار میں جوا کیسے پایا جاتا ہے؟

اب یہ پرچیوں کا کاروبار اتنا بڑھ گیا ہے کہ الامان والحفیظ، اس پرچی کے اندر جوا پایا جاتا ہے کیونکہ جوا اسے کہتے ہیں آدمی ایک موہوم نفع کے لئے یعنی ایک ایسا نفع جو شاید ملے یا نہ ملے، اس کے حاصل کرنے کے لئے اپنے پیسے داؤ پر لگا دے اسے جوا کہتے ہیں، اسے قمار کہتے ہیں، پرچی میں یہی ہوتا ہے کہ اس کے اندر خالی انعامی بانڈز کے نمبر ہوتے ہیں جو دس دس روپے میں بک رہے ہیں کسی نے دو، چار یا دس بیس، یا سو پچاس لے لئے اور یہ انعامی بانڈز کی پرچیاں لے کر اس نے اپنے پیسے داؤ پر لگائے ہیں کہ اگر قرعہ اندازی میں اس کی پرچی والا نمبر آ گیا تب تو دس کے دس ہزار ہو جائیں گے نہیں تو دس بھی گئے، یہ خالص جوا ہے اور جو اصل انعامی بانڈ ہے وہ سودی ہے، اس میں جو انعام ملتا ہے وہ سود ہوتا ہے لہذا اصل انعامی بانڈ ہی کو خریدنا انعام کے واسطے جائز نہیں۔ اور اس انعامی بانڈز کی قرعہ اندازی مہینے میں دو دفعہ ہوتی ہے اور لوگ وہ دو راتیں جاگ کر گزارتے ہیں، اکتیس یا تیس تاریخ اور ایک پندرہ تاریخ کہ بھئی ان میں قرعہ اندازی ہوتی ہے، اللہ بچائے۔ اس طرح سود کا کاروبار پوری امت مسلمہ کو

گھیرے ہوئے ہے، یاد رکھئے! صرف پاکستان کی بات نہیں ہے پوری امتِ مسلمہ کا یہ حال ہے۔ ہر ملک میں سودی نظام چھایا ہوا ہے۔ اب اسلامی نظامِ معیشت آ رہا ہے لیکن اس کی رفتار چیونٹی کی رفتار کی طرح ہے اس کے راستے میں بے شمار رکاوٹیں ہیں، اللہ تعالیٰ سب رکاوٹیں دور فرمائیں اور اسلامی نظامِ معیشت کو سو فیصد کامیاب فرمائیں۔ آمین

رشوت کی گرم بازاری

اسی طرح اب رشوت اتنی ہے کہ حکومت میں نیچے سے لے کر اوپر تک گویا کہ ہر فائل کے نیچے رشوت کے پہیے لگے ہوئے ہیں، اگر آپ نے رشوت دی تو فائل چلتی ہے نہیں تو وہ رک جاتی ہے۔ اگر آپ نے خدانخواستہ رشوت دی ہے تو آپ کی غیر قانونی سرگرمیوں کے سدِ باب اور روک تھام کے لئے کوئی قانون نہیں ہے، سب کچھ ٹھیک ہے، جعلی بھی اصلی ہے، نقلی بھی صحیح ہے، سب کچھ صحیح ہے اور اگر واقعۃً قانون کے مطابق سب کچھ صحیح ہے اور رشوت نہیں ہے تو کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔ تو سارا قانون نیچے سے اوپر تک بس رشوت سے وابستہ ہے، عدالتوں میں دیکھو، تھانوں اور جیلوں کا حال دیکھو، ظلم وستم ہی ظلم وستم ہے، انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ جہاں انصاف ملا کرتا تھا وہاں سے ظلم وستم تقسیم ہوتا ہے۔

گناہ کی خاصیت اور وبال

جتنے بھی کبائر ہیں، جتنے بھی بڑے بڑے گناہ ہیں سارے ہی عام ہو چکے ہیں جبکہ ہر گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے دنیا میں بھی مصیبتیں، تکلیفیں، پریشانیاں، آفتیں، اور نا اتفاقی، بزدلی، بے حمیتی، بے عزتی، عیاشی، فحاشی، بے سکونی و بے قراری آتی ہے[1] اور آخرت میں بھی مصیبتوں، تکلیفوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت عارفیؒ کا حالاتِ حاضرہ پر ایک تبصرہ

حضرت عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرح کا بہت تفصیل سے حالاتِ حاضرہ پر ایک تبصرہ فرما کر کہتے ہیں کہ بھئی یہ تو ہمارے حالات ہیں اب کہاں سے ہمیں عزت ملے، کہاں سے ہمیں سکون ملے، کہاں سے ہماری مہنگائی دور ہو، کہاں سے ہمیں راحت ملے، کہاں سے گھر کے اندر راحت نصیب ہو، میاں بیوی، اولاد اور ماں باپ کے باہمی تعلقات کیسے خوشگوار ہوں، عزیز و اقارب کے درمیان اتفاق اور اتحاد کیسے ہو، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور مدد و نصرت کیسے ہو، اور کیسے دنیا کے اندر مسلمان سربلند ہوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ جیسے ہمارے اعمال ہیں

---

[1] جیسا کہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ الآیۃ (سورۃ الروم آیت ۴۱)

ویسا ہی ہمارا انجام ہے بلکہ ہمیں تو ان حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ شکر ادا کرنا چاہئے کہ جیسے ہمارے حالات ہیں ویسی ہمارے اوپر مصیبتیں نہیں ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک انداز ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے:

''وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ'' الآیۃ (الشوریٰ: ۳۰)

ترجمہ:

''جو بھی تمہارے اوپر مصیبتیں پیش آتی ہیں وہ تمہارے اپنے اعمال کے نتیجے میں پیش آتی ہیں اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف کرتے رہتے ہیں''

معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی رحمت سے تمہارے بہت سے گناہوں کو از خود ہی معاف کر کے اس کا وبال بھی تم کو نہیں دیتے ورنہ اگر ہر ہر گناہ کا پورا پورا وبال تمہارے اوپر ڈال دیں تو تم ایک دن کے لئے بھی نہ کھا سکو، نہ پی سکو، نہ سو سکو، نہ جی سکو، کچھ بھی نہ کر سکو، ذرا سی دیر میں ختم کر دیئے جاؤ۔ اتنے گناہ کرنے کے باوجود جو ہم زندہ ہیں، کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، چل رہے ہیں، پھر رہے ہیں آ رہے ہیں، جا رہے ہیں، رہ رہے ہیں، سو رہے ہیں، یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کے صدقے سے ورنہ

ہمارے اعمال تو ایسے ہیں کہ وہ ہمیں کب کا ختم کر دیتے۔

قصصِ قرآنیہ کی حکمت

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ بھئی یہ دنیا جب سے چلی ہے جب سے اللہ تعالیٰ کا یہ قانون چل رہا ہے اس پر مجھے بنی اسرائیل کا قصہ یاد آ گیا جو اللہ پاک نے قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے اور اللہ پاک نے قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے بہت سے قصے بیان فرمائے ہیں، ان قصوں کو بیان کرنے کا مقصد تاریخ بتلانا نہیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگلوں کے حالات سے پچھلے والے عبرت لیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ.

(سورہ یوسف:۱۱۱)

ترجمہ

''البتہ تحقیق ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے''۔

مطلب یہ کہ پہلی قومیں جن گناہوں کی وجہ سے تباہ ہوئیں یہ ان سے بچیں، اور جب وہ ان گناہوں سے بچیں اور دوبارہ ان کے حالات بہتر

ہوئے تو بعد میں آنے والے ان بدلے ہوئے حالات سے سبق لیں اور اپنے حالات بدل کر کے خود بھی دنیا میں عافیت اور سلامتی حاصل کریں۔

بنی اسرائیل کے بعض انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، جب ان کا وصال ہو گیا تو ان کے وصال کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ان کے قائم مقام اور خلیفہ بنے ان کے بعد پھر حضرت کالب ان کے نائب اور خلیفہ بنے، پھر حضرت حزقیل علیہ السلام ان کے قائمقام اور خلیفہ بنے پھر حضرت اَلیَسع علیہ السلام، یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو نافذ کرتے رہے اور بنی اسرائیل کو اس کے اوپر چلاتے رہے۔ حضرت الیسع علیہ السلام کے بعد پھر بنی اسرائیل میں کوئی نبی نہیں آیا۔

بنی اسرائیل کی بت پرستی کا انجام

اس زمانے میں بنی اسرائیل بت پرستی میں مبتلا ہو گئے، دیکھو جب تک بنی اسرائیل بت پرستی سے دور رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر چلتے رہے، دنیا میں سربلند رہے اس کے بعد جب انہوں نے دین کو چھوڑ دیا اور بت پرستی اختیار کر لی، شرک میں مبتلا ہو گئے تو اس کے فوراً بعد

ان کا کیا انجام ہوا؟ اس زمانے میں فلسطین کے اندر قوم عمالقہ آباد تھی جس کا بادشاہ جالوت تھا، اس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر دیا اور جتنے بھی شہزادے تھے ان سب کو قید کر لیا اور ہزاروں کو قتل کیا، عورتوں کو قید کیا مردوں کے اوپر جزیہ اور ٹیکس لگا دیا، سب کو اپنا غلام اور باندی بنا لیا، غور کیجئے! کیسی ذلت ان کا مقدر بنی کہ حکومت وسلطنت بھی ہاتھ سے گئی اور عزت بھی گئی، مزید یہ کہ ٹیکس بھی لگ گیا جو ان کو بادلِ نخواستہ دینا پڑتا تھا اور وطن سے بھی جلا وطن کر دیا گیا، ان کے اصلی وطن پر قوم عمالقہ نے قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ بھی ہمارے لئے باعثِ عبرت ہے کہ جب تک وہ دین پر چلتے رہے، دنیا میں سربلند رہے اور جب دین کو چھوڑا تو دشمن اور کافران پر مسلط ہو گئے اور ان کو اپنا غلام بنا لیا اور وہ ذلت وخواری میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت شمویل علیہ السلام اور ان کی دعا

اس وقت بنی اسرائیل کے اندر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں ایک عورت تھی وہ حمل سے تھی اور امید سے تھی جب اس کے ہاں اولاد ہوئی تو ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے شمویل رکھا، شمویل جب بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنایا اور یہ دوبارہ بنی اسرائیل کے اندر نبی بنا کر بھیجے گئے[1] اور انہوں نے بنی اسرائیل کو کہا کہ دیکھو تم نے حضرت موسیٰ

[1] قصص القرآن للسیوھاروی ج۲ ص۳، روح المعانی ج۲ ص۱۶۵

علیہ السلام کی شریعت کو چھوڑا، بت پرستی اختیار کر لی، شرک میں مبتلا ہوگئے اس طرح تم دنیا میں تباہ اور ذلیل وخوار ہوگئے، لہٰذا تم اس سے توبہ کرو تا کہ تم کو عزت اور سربلندی ملے اور تم اس ظالم قوم کے ظلم وستم سے نجات پاؤ، وہ سب حضرت شمویل علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور بت پرستی سے توبہ کی اور سچے دل سے تائب ہوگئے اور حضرت شمویل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ''حضرت! اب ہم مسلمان ہو گئے ہیں لہٰذا اب اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ کوئی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہم پر مقرر کر دیں تا کہ ہم اس کی سربراہی میں اپنے دشمن سے لڑیں''۔

دیکھو! اب ان کے وقت کے نبی کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی وجہ سے سربلندی شروع ہو رہی ہے، کامیابی کا راستہ اختیار کر رہے ہیں تو کامیابی آ رہی ہے، دین اختیار کر رہے ہیں تو صلاح وفلاح کے دروازے کھل رہے ہیں۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے دعا کرنے سے پہلے ان سے یہ فرمایا کہ بھئی! پہلے یہ بتاؤ کہ ایسا تو نہیں ہوگا کہ میں تمہارے لئے دعا کروں اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیں پھر تم اس کی سربراہی میں جہاد کرنے سے انکار کر دو، اس لئے کہ بنی اسرائیل کی یہ بھی بدترین خصلت تھی کہ آج کچھ کہا کل کچھ کہا، آج وعدہ کیا کل پھر گئے۔ زبان کے اتنے کچے تھے کہ الامان والحفیظ، حضرت شمویل علیہ السلام ان کا مزاج جانتے تھے کہ

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی بار ہا وعدہ کر کے پھر چکے ہیں، اس لئے انہوں نے پوچھ لیا تو ان کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم خود آپ سے دعا کروائیں اور دعا کروانے کے بعد جب اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کسی کو سربراہ مقرر کردیں تو پھر ہم اس کے ساتھ جہاد نہ کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم گھر سے بے گھر ہیں، وطن سے بے وطن ہیں، ہم اپنے بیوی بچوں سے جدا ہیں، ہم تو ہر طرح مصیبت میں آئے ہوئے ہیں اس لئے آپ بالکل مطمئن رہیں، ہم ضرور بالضرور لڑیں گے۔ اس کے بعد حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! یہ آپ سے کسی بادشاہ کے مقرر کرنے کی درخواست کررہے ہیں، آپ ان پر کسی کو بادشاہ مقرر کردیجئے، اور اس زمانے تک نبی الگ ہوا کرتے تھے اور بادشاہ الگ ہوا کرتے تھے جیسا کہ اس واقعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت طالوت کو بادشاہ بنادیا گیا

حضرت شمویل علیہ السلام کی دعا سے اللہ پاک نے بنی اسرائیل میں سے ایک شخص حضرت طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کردیا لیکن بنی اسرائیل نے حضرت طالوت کا نام سنتے ہی ان کے بادشاہ ماننے سے انکار کردیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ طالوت ہمارا بادشاہ ہو، بھلا یہ کون ہوتا ہے ہم پر حکم شاہی چلانے

والا، اور وجہ یہ بتائی کہ ایک تو یہ قلاش آدمی ہے، اس کو مالی وسعت حاصل نہیں ہے، اس کے پاس کوئی پائی پیسہ نہیں ہے اور فقیر آدمی کیا سلطنت چلا سکتا ہے، لکھ پتی، کروڑ پتی ہو تو کچھ اپنے پیسے سے چلائے، کچھ قوم کی جیب کاٹ کر چلائے جیسے آج کل ہوتا ہے اللہ بچائے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی کہ یہ تو رنگریز اور دھوبی کا بیٹا ہے اور ہم بادشاہوں کے بیٹے ہیں، ہم عزت دار لوگ ہیں، یہ ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت شمویل علیہ السلام نے کہا: کم بختوں، نالائقوں! بادشاہ بنانا یا نہ بنانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، وہ جس کو چاہے بادشاہ بنادے، تم کون ہوتے ہو بیچ میں بولنے والے، دنیا اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہ اپنی دنیا کی سلطنت جس کو چاہیں عطاء فرمائیں۔ دوسرا یہ کہ ان کے اندر دو خوبیاں ایسی ہیں جو تمہارے اندر نہیں ہیں ایک تو اللہ پاک نے ان کو علم عطا فرمایا ہے، وہ حافظ توریت ہیں اور تمہیں توریت کی خبر ہی نہیں۔ دوسرا یہ کہ جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی امتیازی شان عطا فرمائی ہے کہ دور سے ہی سب سے الگ اور ممتاز نظر آتے ہیں، دشمن دیکھتے ہی ان سے مرعوب ہوجاتا ہے، وہ بڑے ڈیل ڈول والے اور قد آور ہیں، نہایت حسین وجمیل ہیں، ان کے چہرے مہرے سے ہی بادشاہت ٹپکتی ہے مگر یہ بڑی کٹ حجت اور اُجڈ قوم تھی اللہ بچائے، اس لئے انہوں نے کہا کہ ہم ایسے ان کو اپنا بادشاہ نہیں مانتے، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ اپنی کوئی نشانی دکھا دیں کہ واقعی اللہ پاک نے ان کو ہم پر بادشاہ مقرر کیا ہے تب ہم مانیں گے

اس کے بغیر ہم نہیں مان سکتے، پہلے وعدہ کیا تھا اور اب یہ حال ہے، اللہ بچائے۔

حضرت طالوت کی صداقت کی نشانی

حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اس قوم کا حال تو آپ کو معلوم ہے، لہٰذا مہربانی فرما کر ان کے واسطے کوئی نشانی دکھا دیجئے، اور ان ہی سے پوچھ لیا کہ تم کیا نشانی دیکھو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارا تابوت قوم عمالقہ چھین کر لے گئے ہیں، وہ تابوت فرشتے ہمارے سامنے آسمان سے اُتار کر رکھیں، تب مانیں گے کہ اللہ پاک نے ان کو ہمارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔

بنی اسرائیل کا تابوت

اب یہ تابوت کیا ہے؟ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے یہ تابوت[1] اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر اتارا تھا اور یہ تقریباً تین گز لمبا اور دو گز چوڑا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اور کچھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس میں تصویریں تھیں۔ یہ تمام تصاویر ریشمی رومالوں پر بنی ہوئی تھیں اور ایسی تھیں جیسا کہ اصل ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ تابوت آسمان سے اس لئے اتارا تھا تاکہ

---

[1] روح المعانی، ج ۲: ص ۱۶۸۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دکھائیں کہ آپ کی اولاد میں یہ یہ میرے نبی ہیں اور پچھلی شریعتوں میں تصویر کشی حلال تھی، حرام نہیں تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں تصویر کشی حرام ہوگئی، پچھلی امتوں کے اندر آپ چاہے اپنا مجسمہ بنوالیں اور چاہو تو اپنا فوٹو کھنچوالیں، یہ سب جائز تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ حرام اور ناجائز ہے اس لئے یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اللہ پاک نے یہ تصویریں کیسے اتار دیں؟ یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سے ہوتا ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور وہاں سے حضرت الیسع علیہ السلام کے پاس آیا اور اس وقت سے بنی اسرائیل کے پاس تھا اس میں مزید کچھ تبرکات بھی تھے، ان تبرکات میں سے ایک تبرک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء بھی تھا جس کو وہ زمین پر ڈالتے تھے تو وہ سانپ بن جاتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین مبارک بھی اس کے اندر تھے، حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ بھی اس میں تھا، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے کوہ طور پر توریت لینے کے لئے گئے تھے اس عرصے میں بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اپنی قوم کو گوسالہ پرستی کرتے دیکھ کر انہیں بہت غصہ آیا انہوں نے جلدی سے توریت کی تختیاں سر پر سے نیچے اتار کر رکھیں تو وہ

ٹوٹ گئی تھیں، وہ تختیاں بھی اس تابوت کے اندر محفوظ تھیں۔[1] اتنی بابرکت چیزوں کی وجہ سے بنی اسرائیل اس تابوت کو بڑا ہی محترم اور مقدس سمجھتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کا دل بڑا بندھا رہتا تھا اور جب کبھی وہ دشمن سے لڑتے تھے تو اس کو اپنے لشکر کے آگے رکھتے تھے بعض تفسیری روایات میں یہ بھی ہے کہ فرشتے اس تابوت کو ان کے سامنے لٹکائے رکھتے تھے اور پھر یہ دشمن پر حملہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس تابوت کی برکت سے ان کو فتح ہوتی تھی، یہ ہے اس تابوت کی حقیقت۔ لیکن جب قومِ عمالقہ نے ان پر حملہ کیا تو وہ یہ تابوت ان سے چھین کر لے گئے اور وہ تو کافر لوگ تھے اس لئے ان کے دل میں اس کی کیا عظمت ہوتی، انہوں نے اس کو پیشاب پاخانے کی جگہ میں پھینکا ہوا تھا۔

بنی اسرائیل کا تابوت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں

یہاں یہ بات بھی میں دلچسپی کے لئے عرض کر دوں کہ یہ تابوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک بھی رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عیسائیوں کے علاقے میں گئے اور وہاں کسی پادری نے ان کو یہ تابوت کھول کر دکھایا، اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام

---

[1] التفسیر للعلامہ ابن کثیر: ص ۳۲۴، روح المعانی ج ۲ ص ۱۶۹

کی تصویریں بھی دکھائیں اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی دکھائی تو وہ دیکھنے والے صحابی کہتے ہیں کہ میں نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی تھے اور پھر انہوں نے آکر یہ واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کو سنایا۔ پھر اس کے بعد وہ تابوت کہاں گیا یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

بنی اسرائیل کے مطالبے کی تکمیل

خیر! بنی اسرائیل نے حضرت طالوت کو اپنا بادشاہ ماننے کے لئے تابوت لانے کا مطالبہ کیا اور حضرت شمویل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا عجیب انتظام فرمایا کہ قوم عمالقہ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوگئی، ان کے اندر قسمہا قسم کی بیماریاں پھیلنے لگیں، حالت یہ ہوئی کہ جہاں جائیں وہیں ذلیل و تباہ، جس طرف رخ کریں ادھر ہی مصیبت کا سامنا ہوتا تھا، آخر کار انہوں نے کہا کہ یہ ساری مصیبت ہمارے اوپر کیوں آرہی ہے؟ غور کرنے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہو نہ ہو یہ ساری مصیبتیں اس تابوت کی وجہ سے ہیں، اسے یہاں سے جلدی سے نکالو۔

اب انہوں نے ایک بیل گاڑی میں تابوت رکھا اور یہ سوچا کہ اس کے ساتھ جانا بھی خطرے سے خالی نہیں، لہٰذا بیل گاڑی ہی لے جائے تو

ٹھیک ہے چنانچہ بیل گاڑی میں تابوت رکھا اور بنی اسرائیل جدھر آباد تھے دونوں بیلوں کو ادھر ہنکا دیا، کچھ دور وہ بیل چلتے رہے پھر ملائکہ نے وہ تابوت بیل گاڑی سے اٹھایا اور جہاں بنی اسرائیل ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کے اور حضرت طالوت کے سامنے رکھ دیا تب انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں بھئی! اب بات سمجھ میں آگئی کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہمارے بادشاہ مقرر ہوئے ہیں اور پھر انہوں حضرت طالوت کو اپنا بادشاہ مان لیا اور ماننے کے بعد اب ان کی سربراہی میں جہاد کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

قومِ عمالقہ سے جہاد کی تیاری

حضرت طالوت نے حضرت شمویل علیہ السلام کے مشورے سے بنی اسرائیل کے ستر (۷۰،۰۰۰) ہزار نوجوان جہاد کے لئے منتخب کئے تاکہ ان کو لے جا کر قومِ عمالقہ سے جہاد کر کے اپنے وطن کو آزاد کرائیں اور اپنی قوم کو دوبارہ وہاں پر آباد کریں اور اپنی کھوئی ہوئی آزادی اور عزت دوبارہ حاصل کریں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی جہاد میں شرکت

حضرت شمویل علیہ السلام کو بذریعہ وحی اللہ پاک نے یہ بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کے غالباً تیرہ بیٹے ہیں ان میں سے سب سے چھوٹے

بیٹے کا نام داؤد ہے، وہ اس مقابلے میں جالوت کو قتل کریں گے لہٰذا ان کو بھی ساتھ لے لیا جائے، چنانچہ حضرت شمویل علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے والد صاحب کو کہلا بھیجا کہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی لے کر آنا کیونکہ ان کو بھی جہاد میں شریک کرنا ہے، اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام بالکل نوعمر تھے اور پہاڑ کے دامن میں بکریاں چرا رہے تھے، دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، اس لئے کہ اس کی وجہ سے نبیوں میں صبر وتحمل کی پوری پوری عادت اور خصلت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ پھر قوم کی رہنمائی کرنے میں بڑے جاں سوز واقعات پیش آتے ہیں، اور صبر آزما حالات سے گذرنا پڑتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ جب یہ اُس پہاڑ کے دامن سے جانے لگے اور جہاد میں شریک ہونے کے لئے آنے لگے تو یکے بعد دیگرے تین پتھر ان سے ہم کلام ہوئے، ایک پتھر نے کہا کہ حضرت! میں حجرِ موسیٰ ہوں؟ آپ مجھے ساتھ لے لیجئے، دوسرے نے کہا کہ میں حجرِ ہارون ہوں آپ مجھے ساتھ لے لیجئے، تیسرے نے کہا کہ میں وہ پتھر ہوں جس سے آپ جالوت کا خاتمہ کریں گے آپ مجھے لے لیجئے میں آپ کے کام آؤں گا۔ انہوں نے تینوں پتھر اپنی جھولی میں رکھ لئے اور سیدھے اپنے والد صاحب کے پاس آئے اور ان کے والد صاحب ان کو لے کر

حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس پہنچے اور پھر یہ پورا لشکر دشمن سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا۔

لشکریوں کا امتحان

گرمیوں کا زمانہ تھا، لو چل رہی تھی۔ حضرت طالوت کی سربراہی اور حضرت شمویل علیہ السلام کی ہمراہی میں یہ ستر (۷۰،۰۰۰) ہزار کا لشکر روانہ ہوا اور جب راستے میں ان کو پیاس لگی تو لوگوں نے حضرت شمویل علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضرت! گرمی ہے، پیاس لگی ہوئی ہے پانی کا کوئی بندوبست فرمایئے، آپ کے حکم سے حضرت طالوت نے لشکر میں یہ اعلان کیا:

إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّى وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّى إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ. (البقرة ۲۴۹)

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے (جو راستے میں آئے گی اور سخت پیاس کی حالت میں تم اس پر گزرو گے) لہٰذا جو شخص اس سے (افراط کے ساتھ) پانی پئے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں، اور جو اس کو

زبان پر بھی نہ رکھے (اور اصل حکم یہی ہے) وہ میرے
ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو
بھرلے (تو اتنی رخصت واجازت ہے)''

مطلب یہ کہ حضرت طالوت نے اعلان کیا کہ بھئی! پانی آگے آنے والا ہے تم سب لوگ ایک نہر کو پار کرو گے اور اس سے پار ہو کر دشمن سے لڑنے کے لئے میدان میں اترو گے لیکن تم سب کا امتحان اس نہر کے پاس ہوگا اور وہ امتحان یہ ہے کہ جو اس میں سے پانی نہیں پیئے گا وہ کامیاب ہوگا اور وہ دشمن سے مقابلہ کر سکے گا اور جو پیٹ بھر کر پانی پیئے گا وہ شکست کھا جائے گا اور اس کے اندر دشمن سے لڑنے کی طاقت نہیں رہے گی الا یہ کہ وہ ایک آدھ چلو پی لے تو اس کی گنجائش ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

انسانی زندگی میں امتحانات اور آزمائشیں

بات یہ ہے کہ یہ امتحانات بھی ہمارے لئے سبق ہیں، یاد رکھیے! انسان کی پوری زندگی میں جگہ جگہ اور قدم قدم پر امتحانات آتے ہیں اور اس کی آسان علامت یہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ جائز و ناجائز، نیکی و بدی، حرام و حلال، اچھائی و برائی ہوتی ہے، درحقیقت یہ امتحانات ہیں، بس جو امتحان کے موقع پر نیکی اختیار کر لے، گناہ سے بچ جائے، اللہ تعالیٰ کا حکم مان

لے، اپنی طبیعت کا، معاشرے کا اور ماحول کا تقاضہ مسترد کردے وہ پاس ہے اور جو دوسرا پہلو اختیار کرے وہ فیل ہے، بس یہی بنیادی امتحان ہے۔

یہاں پر بھی یہی ہوا کہ پیاس لگی ہوئی ہے لیکن حکم یہ ہے کہ پانی مت پیو جس نے پانی پی لیا وہ فیل ہوگا اور جس نے پانی نہ پیا وہ پاس ہے اور تھوڑی سی گنجائش بھی دیدی لیکن جب وہ نہر آئی تو انہوں نے کیا کیا؟ اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ (البقرة: ۲۴۹)

ترجمہ

''سوائے ان میں سے چند آدمیوں کے باقی سب نے پینا شروع کردیا''۔

یعنی وہ سارے غٹا غٹ پانی پینے لگے ستر ہزار افراد میں سے صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) باقی بچے جنہوں نے پانی پینے میں احتیاط کی، کسی نے بالکل نہ پیا، کسی نے چلو بھر سے زیادہ نہ پیا، باقی سب نے اچھی طرح پی لیا، تین سو تیرہ پاس ہوئے باقی سارے (تین سو تیرہ کم ستر ہزار) فیل ہوگئے اور جب انہوں نے خوب پانی پی لیا تو ان کا دل بیٹھ گیا، وہ بزدل ہوگئے، حوصلے ہار گئے، ہمت ہار گئے اور صاف کہنے لگے کہ دشمن سے لڑنے کے لئے اب ہمارے اندر طاقت نہیں رہی، اب ہم کیا دریا پار کریں گے اور کیا

دوسرے کنارے جائیں گے اور دشمن سے لڑیں گے ہمارے اندر طاقت نہیں ہے لہٰذا یہ ہی جہاد کیلئے چلے جائیں جنہوں نے پانی نہیں پیا۔

لڑائی کے میدان میں

جیسے تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر کے اندر شریک تھے وہی تین سو تیرہ اس وقت بنی اسرائیل کے اندر تھے جو امتحان میں پاس ہوئے اور جب یہ دریا عبور کر کے دوسری طرف گئے تو جالوت اپنی فوج لئے کھڑا تھا اور صف بندی کر رہا تھا انہوں نے بھی جا کر اپنی صف بندی کی، ان کی تعداد جالوت کے لشکر کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی، اس لئے ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا:

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ (البقرۃ:۲۴۹)

ترجمہ

''آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی''۔

ان میں سے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا کامل بھروسہ تھا، ان کا یقین کامل تھا، انہوں نے ان کو ایسا ''ایمانی جواب'' دیا کہ ان کے ڈگمگاتے قدم ٹھہر گئے، اور جم گئے، اور وہ سب جالوت کے لشکر کے سامنے عزم واستقلال کا پہاڑ بن گئے، اور پوری جانفشانی کے ساتھ لڑے، انہوں نے جواباً کہا:

"كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" الآیۃ۔ (البقرۃ: ۲۴۹)

ترجمہ:

"بہت سی مرتبہ ایسا ہوا کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں"۔

اور جب میدان جنگ تیار ہوگیا اور یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوگئے تو اس موقع پر انہوں نے یہ دعا کی:

"رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ" الآیۃ۔ (البقرۃ: ۲۵۰)

ترجمہ

یا اللہ! ہمارے اوپر صبر انڈیل دیجئے، اور ہمارے پیروں کو جما دیجئے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیے"۔

آج بھی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دامن پکڑے گا اور ان کی فرمانبرداری کا ہار اپنے گلے میں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ کی معیت اس کے ساتھ ہوگی چاہے دنیا میں کچھ بھی ہو رہا ہو۔ چنانچہ ایک طرف کافروں کا لشکر ہے اور ایک طرف مسلمانوں کا لشکر ہے، کافروں کا لشکر مسلمانوں سے کہیں زیادہ

ہے ادھر یہ چھوٹی سی جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میدان میں اتری ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس قصے میں حضرت شمویل اور طالوت کے لشکر کے جو احوال مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تین قسم کے لوگ تھے:

(۱) ناقص الایمان جو امتحان میں پورے نہ اتر سکے اور حد سے زیادہ پانی پی گئے۔

(۲) کامل مؤمن جو امتحان میں تو پورے اترے مگر جالوت کا لشکر جرار دیکھ کر انہیں اپنی عددی قلت کی فکر ہوئی، اگرچہ یہ فکر بعد میں جاتی رہی۔

(۳) اکمل الایمان یعنی وہ لوگ جن کا ایمان سب سے زیادہ کامل تھا، یہ وہ تھے جن کے دل میں نہ تو اپنی قلت کا خیال آیا نہ انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی۔ (بیان القرآن)

بہرحال! یہ ۳۱۳ مؤمنین جن میں کچھ کامل تھے اور کچھ اکمل، سب کے سب صبر و استقامت کے ساتھ جالوت کے لشکر سے ٹکرا گئے، اور انتہائی ثابت قدمی و جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ کی غیبی تائید، اللہ کی فتح و نصرت ظاہر ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمادی، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ .

(البقرة: ۲۵۱)

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان تھوڑے سے مسلمانوں نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا''۔

جالوت کا قتل اور حضرت شمویل علیہ السلام کا انعام

حضرت داؤد علیہ السلام نے میدانِ جنگ میں پوچھا کہ جالوت کون سا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ وہ جو اپنے آدمیوں کی صفیں بنا رہا ہے اس کے چاروں طرف بڑے بڑے بہادر ہیں وہ ہے جالوت، جو کافروں کا بادشاہ ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام جو تین پتھر ساتھ لائے تھے ان کو ایک ساتھ ملا کر اور نشانہ لگا کر مارا تو وہ تینوں پتھر اس تیزی کے ساتھ جالوت کی طرف گئے کہ اس کا بھیجا نکالتے ہوئے پار نکل گئے، پیچھے سے یہ دوڑے اور جالوت کے آگے جو دس بارہ آدمی تھے انہیں قتل کرتے کرتے آخر اس کے پاس پہنچے اور اس کی لاش کو کھینچتے ہوئے حضرت طالوت اور حضرت شمویل علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا، سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے کیسی مدد فرمائی۔

حضرت شمویل علیہ السلام نے جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ

اعلان کیا تھا کہ جو شخص بھی جالوت کو قتل کرے گا اس کو دو انعام ملیں گے ایک تو میں اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دوں گا اور دوسرا یہ کہ آدھی سلطنت اس کے حوالے کر دوں گا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ کارنامہ انجام دیا اور جالوت کی لاش لا کر ان کے سامنے ڈال دی تو اسی وقت انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤد علیہ السلام سے کر دیا اور آدھی حکومت بھی ان کو دیدی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نبوت اور سلطنت کے جامع

اس کے بعد حضرت طالوت اور حضرت شمویل علیہ السلام چھ یا سات سال زندہ رہے اور پھر ان کے وصال کے بعد پوری سلطنت حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آگئی اور منجانب اللہ نبوت بھی مل گئی اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سب سے پہلے شخص ہیں کہ جن کے پاس سلطنت اور نبوت دونوں جمع ہو گئی تھیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دو معجزے

اس کے علاوہ اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دو معجزے عطاء فرمائے تھے ایک یہ کہ لوہا ان کے لئے نرم فرما دیا تھا[1] یعنی اسٹیل ان کے ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا کہ جیسے ہمارے ہاتھ میں موم نرم ہوتا ہے کہ

[1] چنانچہ قرآن مجید میں ہے: "وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۔ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِى السَّرْدِ" ۔الآیۃ (سورۃ السبا ۱۰۔۱۱)۔

اس موم کو توڑ موڑ کر جو چاہو بنا لو، حضرت داؤد علیہ السلام اس لوہے سے زرہیں اور زنجیریں بناتے تھے اور دوسرا معجزہ اللہ پاک نے ان کو یہ عطا فرمایا تھا کہ ان کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی طاقت دی ہوئی تھی وہ سمجھتے تھے کہ کوا کیا بول رہا ہے، فاختہ کیا بول رہی ہے، بلبل کیا بول رہی ہے، کبوتر کیا کہہ رہا ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ پاک نے زبور پڑھنے کا ایسا بہترین عمدہ شیریں لہجہ عطاء فرمایا تھا کہ جس وقت آپ زبور پڑھتے تھے تو آپ کے ساتھ ساتھ چرند، پرند حیوانات سارے جھوم جاتے تھے۔

اس واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

یہ واقعہ کتنا عجیب وغریب ہے لیکن اس میں اول تا آخر ایک ہی سبق ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک انجام دیکھو جب وہ نافرمان ہوئے تو قوم عمالقہ ان کے اوپر غالب آگئی ان کو غلام، باندی بنایا ذلیل وخوار کر دیا۔ دوسرا جب انہوں نے توبہ کی حضرت شمویل علیہ السلام کی تابعداری اختیار کی، توحید پر قائم ہو گئے اور جہاد کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کھوئی ہوئی عزت دوبارہ بحال کر دی، اس میں پوری امت مسلمہ کے لئے یہ سبق ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ جو دنیا کی بدترین قومیں ہیں، جب مسلمان شریعت کے پابند تھے تو یہ ان کی غلام تھیں آج مسلمان ان کے غلام بنے ہوئے ہیں، یہ مسلمانوں کی تکہ

ہوئی کررہے ہیں، ان کی عزت، ان کی آبرو، ان کا ملک، ان کی طاقت وقوت سب اپنے قبضے میں لے رہے ہیں، اور یہ سب کچھ ہر ملک میں ہورہا ہے ساری دنیا کے مسلمان ان کے سامنے غلام بنے ہوئے ہیں، مسلمانوں کی کوئی طاقت نہیں ہے، کوئی قوت نہیں ہے، کوئی ہیبت نہیں ہے، کوئی رعب نہیں ہے، جو چاہے وہ مانگ رہے ہیں اور یہ بیچارے دینے کے لئے تیار ہیں، جو وہ کروا رہے ہیں یہ چاروناچار کرنے کے لئے تیار ہیں، بس ان کو ڈالر ملتے رہیں، یہ تو بس پیسے کے پجاری ہیں، اس دنیا کی محبت نے، مال کی محبت نے نہ ان کی عزت رکھی، نہ ان کا وقار رکھا، نہ ان کا رعب رہا، نہ ان کی کوئی قوت و طاقت رہی، نہ ان میں اتفاق و اتحاد رہا، دنیا کے انتہائی بزدل لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، یہ ذلت، یہ پستی، یہ خواری، یہ تباہی و بربادی کیوں ہے؟ اس کی وجہ وہی ہے جو شروع میں عرض کی کہ کونسا گناہ ہے جو ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ"

(سورۃ الرعد نمبر ۱۱)

ترجمہ

بے شک اللہ کبھی بھی کسی قوم کے حالات کو نہیں بدلا کرتے جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں"

لہٰذا جب ہم بدلیں گے تو ہمارے یہ حالات بھی بدلیں گے، ہمارے دشمن زیر ہوں گے اور ہم کو دنیا میں اور آخرت میں عزت ملے گی اور اگر ہم چاہیں کہ اسی طریقے سے حبِ دنیا کے اندر مبتلا رہیں، ہماری عورتیں بے پردہ رہیں اور ننگی رہیں، جھوٹ بولا جاتا رہے، غیبتیں ہوتی رہیں، رشوت عام رہے، سود عام رہے اور وہ سارے کبائر بدستور ہوتے رہیں جن کی طرف میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا تو پھر اس کا انجام سوائے ذلت کے، سوائے تباہی اور پریشانی کے کچھ نہیں ہے، ہر آدمی انفرادی طور پر بھی انتہائی پریشان ہے، اجتماعی طور پر بھی انتہائی پریشان ہے پھر اب کیا کریں؟ بس وہی کریں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ہماری ذمہ داری

اب اگر یہ کہا جائے کہ لوگ تو کرتے نہیں، ہم کیا کریں؟ تو قوم جیسا کرے گی ویسا ہی بھرے گی قوم کے افراد تو ہم ہی ہیں اب انفرادی طور پر بھی ہم جیسا کریں گے ویسا بھریں گے، لہٰذا انفرادی طور پر ہم سب مکلّف ہیں، جب مکلّف ہیں تو بس جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس سے عبرت لیں، یہ انتہائی فتنے کا دور ہے، اس وقت ہمیں چاہئے کہ جتنی جلدی ہو سکے ہم اپنے ظاہر کا بھی جائزہ لیں اور اپنے باطن کا بھی جائزہ لیں اور ہمیں اپنے اندر جتنے گناہ

نظر آتے ہیں ان میں سے جو گناہ ہم فوری طور پر چھوڑ سکتے ہیں وہ فوراً چھوڑ دیں اور جو نہیں چھوڑ سکتے تو ان گناہوں کا اقرار کریں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعتراف کریں، اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم بنیں اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ یا اللہ میں اسے گناہ سمجھتا ہوں، حرام و ناجائز سمجھتا ہوں لیکن میں ایسے کمزور ایمان والا ہوں کہ یا اللہ میں چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن چھوڑ نہیں پاتا، آپ میرے ایمان کو قوی فرما دیجئے، مضبوط فرما دیجئے مجھے ایسا حوصلہ اور ہمت دے دیجئے کہ یہ گناہ میرے سے چھوٹ جائے، آپ میری مدد فرمائیے۔

اور تقویٰ اختیار کریں، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری، تابعداری کو اختیار کریں اور اپنائیں تو بھئی انفرادی طور پر ہی ہمارا حال بہتر ہو جائے گا اور اجتماعی سطح پر جو بھی مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں ان سے بھی ہم بچ جائیں گے، ارے بھئی! ستر (۷۰،۰۰۰) ہزار میں سے تین سو تیرہ (۳۱۳) کامیاب ہوئے اگر وہ تین سو تیرہ بھی یہ کہتے کہ تین سو تیرہ کم ستر ہزار تو یہ کر رہے ہیں اب ہم کیا کریں؟ لو ہم بھی پانی پی لیتے ہیں تو جیسے وہ نہ بچے یہ بھی نہ بچتے۔

یہی ہمارے لئے سبق ہے کہ کوئی بچے یا نہ بچے، کوئی چھوڑے یا نہ چھوڑے ہم تو اس حرام زندگی سے، اس ناپاک زندگی سے، ان گناہوں سے، ان کبائر سے جن کو ہم اپنی آنکھوں سے چاروں طرف پھیلتا ہوا دیکھ رہے ہیں، ان سے اپنے دامن کو بچائیں گے، اپنے آپ کو بچائیں گے،

اپنے گھر والوں کو بچائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو ان تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں، تقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمائیں اور دنیا وآخرت میں سرخرو فرمائیں (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆

اصلاحِ ظاہر و باطن

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح ظاہر و باطن

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

امابعد!

گزشتہ منگل کو یہ عرض کیا گیا تھا کہ ہم میں سے ہر شخص پر اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا فرضِ عین ہے، لہٰذا اس فرضِ عین کو ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے، اور گزشتہ بیان میں اس فرضِ عین کو ادا کرنے کا طریقہ اور اپنے ظاہر و باطن کو سدھارنے اور سنوارنے کا طریقہ بھی عرض کیا گیا تھا۔

اصلاحِ باطن کا طریقہ

اور اس کا طریقہ یہ عرض کیا گیا تھا کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا طریقہ اور دستور یہ ہے کہ جو طالب اصلاح اپنے ظاہر و باطن کو سنوارنے کا خواہشمند ہو اور اپنے باطن کو اچھے سے اچھے اخلاق سے آراستہ کرنے اور بد اخلاقی سے بچنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ کسی نہ کسی متبعِ سنت اور متبعِ شریعت

اللہ والے کی خدمت وصحبت میں اسی نیت سے جائے، اسی نیت سے بیٹھے اور اسی نیت سے ان کی نصیحتیں سنے کہ میری اصلاح ہو جائے اور میں انسان بن جاؤں۔

انسان کی دو قسمیں

کیونکہ انسان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک انسان وہ ہے جس کا ظاہری روپ انسانوں جیسا ہو، اس کی دو آنکھیں، دو کان، ایک ناک، ایک منہ، دو ہاتھ، اور دو پیر ہوں، اور وہ انسانوں کی طرح کھاتا اور پیتا ہو، سوتا اور جاگتا ہو، کماتا اور کھاتا ہو اور عام انسانوں کی طرح ہی اس کی چال ڈھال اور گفتار ہو اس کو انسان کہا جاتا ہے لیکن یہ اصلی انسان نہیں ہے، اصلی انسان دوسرا ہے۔

حقیقی انسان اور اس کی پہچان

(۲) اصلی انسان وہ ہے جس میں اچھے اچھے اخلاق ہوں، وہ صابر اور شاکر ہو، زاہد اور عابد ہو، پاک دامن ہو، اس کی نظر پاک ہو، اس کے کان پاک ہوں، اس کی زبان پاک ہو، دل پاک ہو، اپنے ہاتھوں سے وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو، پیروں سے ناحق کسی کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو، اللہ کی محبت اس کے دل میں ہو، اللہ تعالیٰ کے حساب وکتاب سے اس کو ڈر

لگتا ہو، مال سے بے جا محبت نہ کرتا ہو، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بسی ہوئی ہو، زبان اللہ کی یاد سے تر رہتی ہو، ذہن، دھیان اللہ کی طرف رہتا ہو، متواضع ہو، منکسر المزاج ہو، اگر اس کو اس کی غلطی بتائی جائے تو وہ فوراً اسے مانتا ہو، اکڑتا نہ ہو، لڑتا نہ ہو، گالی نہ دیتا ہو، بے جا غصہ نہ کرتا ہو، بے صبرا نہ ہو، بدنظری نہ کرتا ہو، داڑھی نہ منڈواتا ہو، بڑی بڑی مونچھیں نہ رکھتا ہو، سنت کے مطابق لباس پہنتا ہو، نظریں نیچی رکھتا ہو، زبان سے جھوٹ نہ بولتا ہو، غیبت نہ کرتا ہو، چغلی نہ کھاتا ہو، جھوٹی گواہی نہ دیتا ہو، ہاتھوں سے ناحق کسی کو نہ مارتا ہو، پیروں سے چل کر کسی گناہ کی جگہ نہ جاتا ہو، کم تولتا اور کم ناپتا نہ ہو، صابر و شاکر ہو، زاہد و عابد ہو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہو، آخرت کی پکڑ کا اسے ہر وقت ڈر لگا رہتا ہو، دن رات سنت اور شریعت پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ سنت اور شریعت سے ہٹ کر جینا نہ چاہتا ہو، یہ ہے ''اصلی اور حقیقی انسان'' اور یہ ہیں اس کی صفات، جس شخص کے یہ جذبات ہوں اس کو اصلی انسان کہتے ہیں۔

مجھے حقیقی انسان کی تلاش ہے

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے مثنوی شریف میں ایک عجیب قصہ بیان فرمایا ہے، جس سے انہوں نے اصلی اور نقلی انسان کا فرق ذہن نشین

فرمایا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دن کو دوپہر کے وقت بازار میں ایک شخص کو دیکھا، جبکہ وہ بازار آدمیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، دکاندار مال فروخت کرنے میں مشغول تھے، دکانیں خریداروں سے بھری ہوئی تھیں، ایسی حالت میں عین دوپہر کے وقت اس کو کیا دیکھا کہ اس نے ایک چراغ جلا رکھا ہے اور بھرے بازار میں اس کی روشنی میں کچھ ڈھونڈ رہا ہے، کبھی کہیں جا رہا ہے کبھی کہیں جا رہا ہے، بڑی بے چینی سے کوئی چیز چراغ کی روشنی میں تلاش کر رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بھئی! پہلے تو یہ بتاؤ کہ اتنی تیز دھوپ نکلی ہوئی ہے، آفتاب سروں پر ہے، مارکیٹ کا کونہ کونہ دھوپ سے چمک رہا ہے، ایسے وقت میں آپ کو چراغ جلانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ سورج کے سامنے چراغ کی حقیقت ہی کیا ہے اور اس کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اوّل تو سورج کی اس روشنی میں چراغ جلانا بے وقوفی ہے لیکن چلو خیر! اب تم نے جلا ہی لیا ہے تو کم از کم یہ تو بتاؤ کہ آخر ایسی کونسی باریک چیز ہے کہ جس کے لئے سورج کی روشنی بھی ناکافی ہے، آپ اسے چراغ کی روشنی میں ڈھونڈ رہے ہیں اور چراغ کی روشنی کے باوجود بھی وہ چیز آپ کو نظر نہیں آ رہی، کبھی آپ ادھر بھاگ رہے ہیں اور کبھی اُدھر، آخر ہے کیا چیز جو آپ چراغ کی روشنی میں ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔

اس نے جواب دیا کہ میں انسان تلاش کر رہا ہوں، لوگوں نے جب یہ انوکھا جواب سنا تو پوچھنے والے نے پھر کہا کہ بھئی! تو کیسی عجیب بات کر رہا ہے، تیرے تو سارے کام ہی نرالے اور عجیب وغریب ہیں۔ یہ پوری مارکیٹ جو کھچا کھچ انسانوں سے بھری ہوئی ہے کیا یہ انسان نہیں ہیں؟ کیا یہ سب کے سب بھیڑ بکریاں ہیں؟ تو کہتا ہے کہ میں آدمی تلاش کرتا پھر رہا ہو، یہ بہت سے دکاندار بیٹھے ہوئے ہیں، یہ اتنے سارے گاہک اور خریدار ہیں، کوئی انڈے خرید رہا ہے اور کوئی ڈبل روٹی خرید رہا ہے، کوئی چینی لے رہا ہے اور کوئی چائے لے رہا ہے، یہ کون ہیں اور کیا ہیں؟ انہیں تم کیا سمجھتے ہو؟ کیا یہ شیر چیتے ہیں؟ چلو اگر آپ کو دکان کے اندر بیٹھے ہوئے نظر نہیں آرہے ہے تو کیا روڈ اور شاہراہ پر چلنے والے بھی نظر نہیں آرہے؟ آپ شاہی بازار میں کھڑے ہیں اور کندھے سے کندھا چھلا جا رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ میں انسان تلاش کر رہا ہوں، کچھ تو عقل کے ناخن لو! یہ چاروں طرف کون گھوم رہے ہیں، آخر یہ انسان نہیں تو کیا ہیں؟

نقلی انسان بہت ہیں مگر اصلی انسان کہاں؟

اس نے جواب دیا کہ مارکیٹ میں جتنے بھی یہ انسان نظر آرہے ہیں یہ اصلی انسان نہیں ہیں اور میں اصلی انسان تلاش کر رہا ہوں، مولانا نے

اسے ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مارکیٹ جتنی بھی تجھے انسانوں سے بھری ہوئی نظر آرہی ہے یہ صرف انسانوں کی شکلیں اور صورتیں ہیں حقیقت میں ان میں سے ایک بھی انسان نہیں ہے، حقیقت میں یہ سب کچھ اور ہیں ہاں البتہ اپنے ظاہری روپ میں یہ انسان ہیں، اور میں اصلی انسان تلاش کر رہا ہوں جو حقیقت اور شکل وصورت دونوں کے لحاظ سے انسان ہو، اور ایسا انسان مجھے چراغ کی روشنی میں بھی نظر نہیں آرہا۔

اصلی اور نقلی انسان میں فرق

مولانا رومیؒ نے اس کی مزید وضاحت فرمائی کہ میں تمہیں مثال دیتا ہوں جس سے تم خود ہی فیصلہ کرلو گے کہ اصلی اور نقلی انسان میں کتنا فرق ہوتا ہے، اگرچہ اعضاء وجوارح کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر صرف دو کان، دو ہاتھ اور دو پیر کی وجہ سے انسان انسان ہوتا تو پھر بتاؤ! کیا ابوجہل اور نبی کریم ﷺ میں برابری ہوسکتی ہے، نیز یہ بتاؤ کہ دو آنکھیں تو ابوجہل کی بھی تھیں، دو پیر تو اس کے بھی تھے، بلکہ وہ تمام اعضاء وجوارح جو ہر انسان میں ہوتے ہیں وہ ابوجہل میں بھی تھے لیکن اس کے باوجود وہ ابوجہل ابوجہل ہی تھا، کافر، ملعون اور مردود تھا

جبکہ دوسری طرف سرکارِ دوجہاں جناب رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ کو اللہ پاک نے جو اتنا اونچا اور عالی مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ آپ کے کچھ اعضاء زیادہ تھے، نہیں ہرگز نہیں، ایسا بالکل نہیں تھا، بلکہ اعضاء و جوارح آپ کے بھی اتنے ہی تھے جتنے اور انسانوں کے تھے لیکن اس کے باوجود آپ سید الانبیاء ہیں، محبوب رب العلمین ہیں، رحمۃ للعلمین ہیں اور رؤف الرحیم ہیں، جبکہ ابوجہل مردود ہے اور آپ ﷺ محبوب ہیں، اللہ اکبر۔

حالانکہ جسمانی اعتبار سے دونوں برابر ہیں لیکن باطن کے اعتبار سے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک خدا کا مبغوض اور مردود، کافر اور ملعون ہے، اور دوسرا اللہ کا محبوب اور مقبول اور تمام نبیوں کا سردار ہے جنکی شان یہ ہے۔

وہ اگر موجود نہ ہوتے
کون ومکاں موجود نہ ہوتے
کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی ابھر نہ سکتا، وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا

مولانا فرماتے ہیں کہ بھئی! اعضاء و جوارح اور شکل و صورت کا انسان تھوڑی انسان ہوتا ہے، اصلی انسان تو دوسرا ہوتا ہے،

اصلی انسان کسے کہتے ہیں؟

اصلی انسان کسے کہتے ہیں؟ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان گوشت پوست، ہڈیوں اور اعضاء و جوارح کا نام نہیں ہے، اسے اصلی انسان نہیں کہتے بلکہ اصلی انسان وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر بھری ہوئی ہو، جس کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ اللہ پاک مجھ سے راضی ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے سوا کسی اور چیز کا نام انسان نہیں ہے، سارا دین ہم سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی فکر میں لگ جاؤ اور اللہ کے ماسوا کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ، یہی ہمارے دین وایمان کا خلاصہ ہے، کہ اس جانِ جہاں کا آدمی دیوانہ ہو جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کا عاشق ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا عشق و محبت اس درجہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کی محبت مغلوب اور اللہ تعالیٰ کی محبت ان سب پر غالب آجائے۔

اصلاحِ نفس کے لئے صحبتِ شیخ ضروری ہے

اصلاحِ باطن کے لئے اللہ والے کی صحبت ضروری ہے۔ حقیقی انسان بننے کے لئے صحبتِ شیخ ضروری ہے، اللہ پاک نے اصلاح کا جو طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کسی اللہ والے کی خدمت میں جائے اور اس

کی صحبت میں رہے تا کہ صحیح معنوں میں وہ انسان بنے اور ہمارے اندر انسانیت پیدا ہو جائے اور انسانیت اسی کا نام ہے کہ ہمارے اندر اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوں اور ہر قسم کی بداخلاقیاں دور ہو جائیں، اس کے لئے اللہ پاک نے عام طریقہ یہ مقرر فرمایا ہے کہ تم کسی اللہ والے کی صحبت میں جا کر بیٹھو اور اس کی خدمت کو لازم پکڑو، تو اس کے پاس بیٹھنے اور اس سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرنے سے تمہارے اندر اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوں گے، برے برے اخلاق دور ہونا شروع ہو جائیں گے۔

ایک شیطانی دھوکہ

شیطان بعض لوگوں کو ایک دھوکہ دیتا ہے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ کوئی ایسا اللہ والا ملے کہ جیسے ہی اس کے پاس جائیں تو بیٹھتے ہی چشم زدن میں، پلک جھپکتے ہمارے اندر کی کایا فوراً پلٹ جائے، کوئی ایسا اللہ والا، ایسا دل بدلنے والا، کوئی ایسا ولی کامل ملے کہ وہ اپنی ایک ہی نظر میں ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دے، ہمیں اس کے لئے نہ ارادہ کرنا پڑے، نہ کوئی کوشش کرنی پڑے، نہ گناہ چھوڑنے پڑیں، نہ فجر کی نماز کیلئے اٹھنے میں ہمت کرنی پڑے، غرض ہمیں کوئی مشقت نہ اٹھانی پڑے، وہ بزرگ ایک ہی نظر میں ہمیں ایسا کر دے کہ سارے کام از خود ہونے شروع ہو جائیں۔ صبح

ہوتو اچانک ازخود آنکھ کھل جائے، اب اگر ہم سونا چاہیں تو نیند ہی نہ آئے، لیٹنا چاہیں تو لیٹا ہی نہ جائے، جبراً وقہراً وضو کر کے مسجد میں نماز پڑھنے چلے آئیں۔

اسی طرح جب دوپہر کا وقت آئے اور ہم ملازمت میں یا ڈیوٹی پر ہوں، یا دکان پر ہوں اور ادھر اذان ہو جائے تو ازخود دکانداری ٹھپ ہو جائے، گاہک آنے بند ہو جائیں، زبان گنگ ہو جائے، کچھ بولے ہی نہیں، ہاتھ پیر شل ہو جائیں، کام کے لئے بالکل استعمال نہ ہوں اور ایک ہی دھن سوار ہو کہ ''دکان بند کر اور مسجد میں چل'' وہ بزرگ اپنی نظر کرم سے کوئی ایسی کیفیت ہم پر طاری کر دیں۔ اسی طرح اگر ہم اللہ اللہ کرنا چاہیں تو دل خودبخود اللہ اللہ کرنے لگے۔ اسی طرح جہاں گناہ کا موقع آئے تو فوراً ایک پولیس والا کہیں سے نمودار ہو اور کہے کہ خبردار! اگر تو نے ادھر (گناہ کی جانب) دیکھنے کی کوشش کی، سیدھا چل اپنے گھر یا مسجد میں۔

یا کوئی ایسا اللہ والا ملے جو امام غزالی ہو، جنید بغدادی یا رومی ہو تو پھر کام بنے گا، چھوٹے موٹے بزرگوں سے وہ اپنی اصلاح کرانا نہیں چاہتا، کوئی پرانا بزرگ آئے جو ایک ہی نظر میں پاک کر دے، آج کل لوگ اس انتظار میں رہتے ہیں۔

''اصلاح'' آناً فاناً نہیں، بتدریج ہوتی ہے

غور سے سُن لیجئے اصلاح بتدریج اور آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ قانونِ قدرت اور دستورِ الٰہی کیا ہے؟ قانونِ الٰہی، دستورِ الٰہی اور سنتِ الٰہی تدریج ہے۔ اگر کوئی اس آسرے پر رہے گا تو یاد رہے کہ زندگی گزر جائے گی، کوئی ایسا نہیں ملے گا جو ایک ہی لمحہ میں زندگی کی کایا پلٹ دے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور نہیں ہے، ہاں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ضرور ہیں اور کبھی کبھی وہ اپنے قدرت کے ایسے نمونے دکھا بھی دیتے ہیں، اس طرح کے جتنے واقعات آپ نے سن رکھے ہیں وہ بہت ہی شاذ و نادر ہیں، ایسا واقعہ بہت ہی کم اور اتفاقاً پیش آیا ہوگا کہ ذرا سی دیر میں اللہ پاک کسی کو زہد و تقویٰ میں کہیں سے کہیں پہنچا دیں۔ جیسا کہ گذشتہ منگل میں نے آپ کو حضرت جنید بغدادیؒ کا قصہ سنایا تھا کہ وہ کشتی کے اندر جان بوجھ کر پار گئے، اسی پر اللہ پاک نے انہیں نواز دیا۔

خلافِ عادت واقعات کی اصل حقیقت

لیکن ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے جو واقعات پیش آتے ہیں درحقیقت ان میں بھی ایک عجیب و غریب بات پوشیدہ ہوتی ہے، وہ یہ کہ ظاہر میں تو ان کا وہ عمل چھوٹا سا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ بہت بڑا ہوتا ہے، وہی بڑا عمل کوئی دوسرا آدمی دس سال میں کرتا ہے، مگر وہ اسے

چند منٹ میں کرلیتا ہے جس کی وجہ سے کسی کو وہ مقام دس سال میں ملتا ہے لیکن اس کو اپنے بڑے عمل کی وجہ سے چند منٹ میں اللہ پاک وہ مقام عطا فرما دیتے ہیں۔ لیکن وہ شخص دس سال کی محنت اور دس منٹ کی محنت برابر کرتا رہتا ہے، کوشش اور محنت پر اللہ تعالیٰ کا انعام اور صلہ ملتا ہے، بلا محنت تو کبھی کسی کو کچھ نہیں ملا۔

محنت اور جدوجہد سے سب کچھ ملتا ہے

غور سے سن لو اور سمجھ لو! جس کو بھی کچھ ملا کوشش سے ملا، محنت سے ملا، عمل سے ملا، ہاں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ کسی کا عمل ظاہری طور پر بہت چھوٹا ہوتا ہے لیکن اندر سے بہت اونچا اور بلند ہوتا ہے، جیسے حضرت جنید بغدادیؒ کا قصہ ہے کہ جیسے ہی انہوں نے یہ سنا کہ یہ اہلِ بیتِ رسول میں سے ہے، فقیر و محتاج ہے، مسکین ہے اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہے، اسی وقت حضور ﷺ کی محبت کا جذبہ ان کے دل میں جوش مارنے لگا اور انہوں نے اپنے آپ کا زیر ہو جانا پسند کیا۔

دوسری طرف یہ ہوتا ہے کہ کوئی محنت، کوشش اور عمل مسلسل دس سال تک برابر کرتا چلا جاتا ہے، تب جا کر یہ مخلصانہ جذبہ نمودار ہوتا ہے اس کے لئے دس سال کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہے لیکن جہاں

فوری فضل کی صورت پیدا ہوتی نظر آتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معمولی نہیں ہوتا۔ اور وہ عمل اس فضل خاص کا سبب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یکا یک کایا پلٹ گئی۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا قول

اس لئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے جتنے بھی واقعات آپ نے سنے یا پڑھے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ایک بدکار آدمی ولی کامل ہو گیا وہاں پر دراصل ایک جذبہ پہلے سے موجود ہوتا ہے جو اندر پنہاں رہتا ہے اور وہ اندر سے آدمی کو بے قرار اور بے چین کرتا رہتا ہے، گو کہ ظاہر میں وہ آدمی بالکل آزاد اور آوارہ ہوتا ہے پھر جیسے ہی اس پنہاں جذبے کو ظاہر ہونے کا موقع ملتا ہے فوراً اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کی آغوش میں لیتے ہیں۔ لیکن طلب پہلے سے اس کے اندر موجود تھی، پہلے سے تڑپ اس کے اندر موجود تھی، اس کا ظہور یک بیک ہو گیا، کسی کا ظہور دیر سے ہوتا ہے، کسی کا ظہور جلدی اور اچانک ہو جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا قصہ

حضرت ابراہیم بن ادہم بڑے عرصہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ کی یاد، اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب

تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ بادشاہ وقت بھی تھے، بلخ کی بادشاہت اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھی تھی اور چاہتے یہ تھے کہ کسی طریقے سے مجھ کو اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی نصیب ہو جائے، ان کی محبت بھی نصیب ہو جائے اور ان کی یاد بھی نصیب ہو جائے، مگر سلطنت کے کاموں سے آدمی کو فرصت کہاں ملتی ہے؟ لیکن طلب، فکر، خواہش اور چاہت اندر موجود تھی چنانچہ اس جذبہ نے آہستہ آہستہ اور اندر ہی اندر اپنا کام کرنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی یہ جذبہ پیدا فرمادیں۔ آمین

بہرحال! جب اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا جذبہ اضطراب اور بے قراری میں تبدیل ہوا تو اللہ پاک نے اس کا سامان پیدا فرمادیا۔

قصہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ آپ اپنے شاہی محل میں آرام فرما رہے تھے، رات کا وقت تھا، کہ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ محل کی چھت پر کوئی آدمی ادھر اُدھر کوئی چیز تلاش کر رہا ہے اور چل پھر رہا ہے، آپ نے کسی کو بھیجا اور کہا کہ معلوم کرو کون ہے اور رات کے بارہ بجے محل کی چھت پر کیسے آیا ہے؟ اور اس وقت اوپر کیا رہا ہے؟ چنانچہ فوراً تعمیلِ حکم کی گئی اور اس آدمی کو پکڑ کر ان کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ان سے پوچھا بھئی! تم اوپر کیا کر رہے ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب میں کہا حضرت! جنگل میں میرا اونٹ کھو گیا تھا وہ ڈھونڈنے کے لئے یہاں آیا

ہوں، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اس کے جواب پر بڑے حیران ہوئے کہ اونٹ جنگل میں کھویا ہے اور اسے ڈھونڈ رہے ہو محل کی چھت پر، کیسی ناسمجھی کی بات کر رہے ہو؟ جنگل کا گم شدہ اونٹ تمہیں جنگل میں ڈھونڈنا چاہئے، نہ یہ کہ تم اسے محل کی چھت پر ڈھونڈو، اور اس سے بڑی نادانی کی بات یہ ہے کہ تم اسے رات کی تاریکی میں ڈھونڈ رہے ہو، بھئی! دن کو ڈھونڈتے تو پھر بھی کچھ بات سمجھ میں آتی کہ تم اسے دن میں تلاش کرتے، رات کی تاریکی میں تمہیں کیا نظر آئے گا اور وہ بھی محل میں؟ بھئی! یہ کیسی بے موقع بات کہہ رہے ہو؟

محلات کی پُر عیش زندگی میں اللہ کو ڈھونڈنا نادانی ہے

اس نے جواب دیا کہ جیسے رات کے بارہ بجے اندھیرے میں میرا جنگل میں کھویا ہوا اونٹ محل کی چھت پر تلاش کرنا ناسمجھی ہے، اسی طرح اس محل، سرائے میں اور سلطنت میں خدا کو ڈھونڈنا بھی بے محل ہے اور یہ ناسمجھی کی بات ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت، اور ان کی تلاش اور جستجو بھلا سلطنت کے ان جھمیلوں میں اور محل کے ان بکھیڑوں میں کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ یہ بھی نادانی اور ناسمجھی کی بات ہے۔

لمحوں میں زندگی کی کایا پلٹ گئی

جناب! اس نے جو یہ کہا تو دل پر ایک چوٹ لگی۔ بے قراری

تو عرصے سے تھی ہی، اوپر سے جو یہ ایک نشتر لگا اور ایسا دل سے پار ہوا کہ سلطنت کو دل سے نکال لے گیا، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے بھی اپنے ماسوا کی محبت نکال دے کہ سب سے بڑا جو کوہِ گراں ہے وہ یہی ہے کہ جب تک دنیا کی محبت دل کے اندر غالب ہے اللہ تعالیٰ کی سچی محبت نہیں آسکتی۔

نو وارد کون تھا؟

اصل میں وہ فرشتہ تھا، اللہ پاک نے ان کو بھیجا تھا کہ ایک نشتر ان کے اور لگاؤ تا کہ ان کے دل سے سلطنت کی محبت نکل جائے اور پھر ہماری یاد ان کے دل میں بس جائے۔

چنانچہ نشتر کا لگنا تھا کہ اسی وقت انہوں نے ایک فقیر سے اس کا فقیرانہ لباس مانگا اور گدڑی مانگی پھر اپنا شاہی لباس اتارا، اور استعفیٰ لکھ کر خفیہ دروازے سے باہر نکل گئے، سیدھے جنگل میں پہنچے اور وہاں اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔

سلطنت بلخ کو انہوں نے چھوڑ دیا، اللہ کی محبت میں سلطنت بلخ کی محبت ان کے دل سے نکل گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمہ تن مشغول اور مصروف ہو گئے، سلطنت بادشاہ سے خالی ہو گئی۔

جب شاہِ بلخ جنگل میں پہنچے تو اس جنگل میں ایک اور اللہ والے

بزرگ پہلے سے آئے ہوئے تھے، ان کا بھی ایک قصہ سن لو۔

ایک بزرگ کا قصہ

وہ بزرگ دنیا سے بالکل کٹ کر جنگل میں رہتے تھے اور ان کے پاس ایک کھرپی تھی اور ایک کھانچہ تھا، کھرپی سے وہ گھاس کھودتے اور کھانچے میں ڈالتے پھر مارکیٹ جا کر وہ گھاس بیچ دیتے اور اسی سے اپنا گزارہ کرتے، یعنی بالکل حلال کھاتے اور حلال پیتے، کیونکہ حلال غذا اصلاح کے لئے بہت ضروری ہے۔

بہرحال! وہ ایک ہفتہ کی مزدوری ایک ہی دن میں کرلیا کرتے تھے اور پھر پورا ہفتہ یادِالٰہی میں مشغول رہتے تھے، اس بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، پروردگارِ عالم آپ کو معلوم ہے کہ میں جنگل میں سوائے آپ کی یاد کے اور کسی مقصد کیلئے نہیں آیا، بس آپ ہی کو یاد کرنے اور آپ ہی کا ذکر کرنے اور آپ ہی کی عبادت کرنے کے لئے میں یہاں رہ رہا ہوں اور مجھے اپنے کھانے پینے کے لئے بہرحال ہفتہ میں ایک دن محنت کرنی ہوتی ہے مزدوری کرنی ہوتی ہے، اس لئے گھاس کاٹ کر بیچتا ہوں اور پھر ہفتہ بھر تک میرا گزارہ اس پر ہوتا ہے، آپ اس پر قادر ہیں کہ مجھے چپٹی روٹی کھلا دیا کریں تاکہ ہفتہ کا وہ دن بھی میرا عبادت میں گزر جائے جس میں میں

مزدوری کرتا ہوں، اللہ پاک نے ان کی دعا قبول فرمالی اور غیب سے ان کے پاس چٹنی روٹی پہنچنے لگی، ایک مرتبہ پورا جنگل بریانی کی خوشبو سے مہک اٹھا، وہ بزرگ لمبے لمبے سانس لینے لگے، یااللہ! یہ آج جنگل میں کون آیا ہے، کہ ایسی زبردست بریانی کی خوشبو آرہی ہے، پوچھتے پوچھتے معلوم ہوا کہ آج جنگل میں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ تشریف لائے ہیں، اور غیب سے ان کے لئے بریانی آئی ہے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، اے پروردگارِ عالم! میں تو دس سال سے یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، اور چٹنی روٹی پر گزارہ ہورہا ہے اور یہ تو آج نیا نویلا آیا ہے، اور پہلے ہی دن آپ نے انہیں قورمہ بریانی کھلادی ہے، یااللہ! یہ ماجرا کیا ہے؟

جیسی قربانی ویسی مہربانی

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسی قربانی ویسی مہربانی ہر ایک کو اس کے مجاہدے کے مطابق دیا جاتا ہے، ہمارے ہاں انصاف ہے جو جیسا مجاہدہ کرتا ہے ویسے ہی اس کو عطا کیا جاتا ہے ویسے ہی اس کو نوازا جاتا ہے، تم نے خالی ایک کھرپی اور ایک کھانچہ قربان کیا تھا اور چٹنی اور روٹی مانگی تھی، وہ ہم نے آپ کو دیدی، اور حساب کرلو تم نے جو قربانی دی تھی اس سے کتنا زیادہ تم کو مل چکا ہے'' اللہ اللہ، سبحان اللہ'' جبکہ ابراہیم پوری سلطنت بلخ قربان کر کے

آیا ہے "اللہ اللہ" اس لئے اس کے واسطے بریانی بھیجی گئی ہے "اللہ اللہ"

خیر! یہ تو ایک قصہ ہوا ورنہ حقیقت یہی ہے کہ جیسا مجاہدہ ہوتا ہے ویسے ہی اس کو عطا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ویسے ہی اس کو اس پر انعام عطا ہوتا ہے۔

ابراہیم بن ادہم کو سلطنتِ بلخ اور فرمانروائی کی پیشکش

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ومصروف ہوگئے اور پھر اللہ تعالیٰ کے مقربینِ خاص میں سے ہوگئے، ایک مرتبہ سلطنتِ بلخ کے وزراء اور امراء جنگل سے گزر رہے تھے، شکار کھیلنے آئے ہونگے، انہوں نے دیکھا کہ شاہِ بلخ اس فقیرانہ حالت میں جنگل کے اندر تشریف فرما ہیں، وہ چونکہ سب پڑھے لکھے، سمجھدار اور باادب تھے اس لئے وہ وہیں ٹھہر گئے، انہوں نے کہا کہ چاہے کچھ بھی ہو یہ ہیں ہمارے سابق بادشاہ، چنانچہ وہ فوراً اپنی اپنی سواریوں سے نیچے اترے اور تمام شاہی آداب بجالائے، بڑے ادب کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے، اس وقت حضرت جنگل میں دریا کے ایک کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی گدڑی جو پھٹ گئی تھی اس کو سی رہے تھے، اس حالت میں یہ تمام امراء حاضر ہوئے اور سلام کیا اور پھر یہ عرض کیا حضرت! اس وقت آپ کس حالت میں ہیں، ہم نے آپ کے

دونوں حال دیکھے ہیں، ایک وہ شان تھی جب آپ بلخ کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے، اس وقت آپ کے جسم پر کیسا عالی شان فاخرانہ لباس ہوتا تھا، سر پر کیسا ہیرے، جواہرات مرصّع تاج ہوا کرتا تھا، حضرت! آج آپ اس طریقے سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ جسم پر کپڑے بھی پھٹے ہوئے ہیں، گدڑی بھی آپ کی تارتار ہو چکی ہے، آج آپ کا یہ حال ہے۔

حضرت! ہم آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آج بھی آپ کے لئے سلطنتِ بلخ کا تختِ شاہی حاضرِ خدمت ہے، اب بھی ہم آپ کے طالب ہیں، آپ تشریف لے چلیں اور عنانِ حکومت سنبھال لیں، آپ کے بعد آج تک اس سلطنت پر ہم نے کسی کو نہیں بٹھایا۔ ہمیں اب بھی آپ کی ضرورت ہے، آپ چلیں اور تشریف فرما ہوں، اور سنبھال لیں اس سلطنت کی باگ دوڑ، ہم آج بھی اسی طرح آپ کے فرمانبردار ہیں جیسے اس وقت تھے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی عجیب کرامت اور سلطنتِ بلخ سے استغناء

حضرت نے انہیں ایک کرامت دکھائی، اور پھر کہا کہ تم یہ بتاؤ کہ وہ سلطنت اچھی تھی یا یہ اچھی ہے جو اللہ پاک نے اس فقیرانہ روپ میں عطا فرمائی ہے۔

کرامت یہ دکھائی کہ حضرت جس سوئی سے اپنی گدڑی سی رہے تھے وہ لوہے کی بنی ہوئی تھی، آپ نے وہ دریا میں پھینک دی اور حکم دیا کہ اے دریا کی مچھلیو! میری سوئی واپس لاؤ، یہ کہنا تھا کہ ایک لاکھ مچھلیوں نے اپنا اپنا منہ دریا سے باہر نکالا اور ہر ایک کے منہ میں سونے کی ایک سوئی تھی، اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ حضرت! مجھ سے سوئی لے لیں، اللہ اللہ، سبحان اللہ۔

حضرت نے فرمایا نہیں بھئی! سونے کی سوئی کا استعمال بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے، اس لئے مجھے اپنی لوہے کی سوئی چاہئے جو میں نے پھینکی تھی، یہ سن کر کنارے پر ایک چھوٹی سی مچھلی نے اپنا چھوٹا سا منہ نکالا جس میں حضرتؒ کی سوئی تھی، حضرتؒ نے ہاتھ بڑھا کر وہ سوئی مچھلی کے منہ سے لے لی، اور اپنا کام شروع کر دیا، اور ان کو دکھایا کہ دیکھو بھئی! پہلے وہ سلطنت تھی جو ظاہری جسموں پر تھی اور وہ بھی درحقیقت زبردستی کی تھی، اور ایک یہ سلطنت ہے جو تم دیکھ رہے ہو، جو آج اللہ پاک نے روئے زمین اور اس پر پھیلے ہوئے انسان تو کیا سمندر کی مچھلیوں پر بھی عطا فرمائی ہے، یہ وہ سلطنت ہے جو صرف جسموں پر نہیں بلکہ قلوب اور لوگوں کے دلوں پر ہے کہ سمندر کی مچھلیاں بھی تابع اور فرمانبردار ہیں، اب تم خود بتاؤ کہ یہ سلطنت اچھی ہے یا وہ سلطنت اچھی ہے؟ میں اس سلطنت کو کیسے چھوڑ دوں، حضرت کی یہ گفتگو سن کر وزراء

میں سے ایک وزیر اس قدر متأثر ہوا کہ اس نے کہا کہ حضرت آپ اللہ تعالیٰ سے میرا تعلق بھی جوڑ دیجئے! حضرت نے فرمایا کہ بھئی! چھ مہینے لگیں گے، چھ مہینے تم یہاں جنگل میں رہو، ہم تمہیں بھی اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیں گے، جیسے اللہ پاک نے مجھے اپنی رحمت سے اپنے آپ سے جوڑ دیا ہے، اسی طرح میں تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے جوڑنے کی کوشش کرونگا، باقی سب وزراء تو سلام کر کے چلے گئے، مذکورہ وزیر صاحب وہیں رہ گئے، جب وہ کچھ عرصہ حضرت کی خدمت میں رہے تو وہ بھی واصل باحق ہو گئے، اللہ اکبر۔

اہل اللہ کی صحبت سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے

بات یہ ہے کہ یہ محبت کی جو آگ دل میں لگتی ہے دراصل خود نہیں لگتی بلکہ لگائی جاتی ہے، اور یہ اُس وقت لگتی ہے جب کوئی کسی اللہ والے کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کے پاس بیٹھنے سے اس کا اثر اس کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، یہ عام قاعدہ ہے، اسی طرح جس کے دل میں اللہ کی یاد، اللہ کی محبت بسی ہوئی ہو اور کوئی اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک بادشاہ کا قصہ

حضرت مولانا رومیؒ نے ایک اور عجیب وغریب قصہ لکھا ہے کہ ایک

بادشاہ تھا جس کی عمر اٹھائیس سال تھی، اس نے بھی اللہ کی محبت میں اپنی سلطنت قربان کردی تھی اور وہ بادشاہ بڑا ہی حسین، قوی ہیکل اور بڑا ہی بارعب تھا، اور ہر وقت وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا تھا، تاکہ مجھے کوئی پہچان نہ لے، صرف اس کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں، باقی سارا جسم چھپا رہتا تھا، اسی حالت میں وہ اپنی سلطنت چھوڑ کر دوسرے کی سلطنت میں محنت ومزدوری کرتا تھا، اور بقدر ضرورت روزی کماتا اور رات دن اللہ اللہ کرتا تھا۔

یہ اس کی کیفیت اور حالت تھی، ظاہر ہے کہ جو آدمی اس طرح رہتا ہے، اس کے بارے میں لوگوں کو تجسس ہو جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ آخر یہ چہرہ کیوں چھپائے رکھتا ہے؟ ایک دن اس کے چہرے کی نقاب ہوا سے اڑ گئی، اللہ تعالیٰ نے اس طریقے سے اس کی اصلیت اور حقیقت لوگوں پر ظاہر فرما دی، اب لوگوں نے جو اس کا چہرہ دیکھا تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے، شیر چاہے کیسا ہی ہو مگر اس کی شکل تو شیر جیسی ہوگی، چاہے وہ فوٹو کے اندر ہو، یہ نہیں کہ فوٹو میں آکر شیر سانپ بن جائے گا، نہیں بلکہ شیر تو شیر ہی رہے گا، اسی طرح وہ بادشاہ اگرچہ اس وقت تخت شاہی پر نہ تھا لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے سے وہ بادشاہت ٹپک رہی تھی جسے چھوڑ کر وہ اس درویشانہ زندگی میں آیا تھا، چنانچہ مزدوروں میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ ارے بھئی! یہ تو کسی ملک کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے، یہ

مزدور نہیں ہے، نہ اس کا چہرہ مزدوروں جیسا ہے، اس کا چہرہ تو بادشاہوں جیسا ہے، بڑا ہی بارعب اور بہت ہی خوبصورت ہے، اس کے علاوہ وہ باتیں بھی بڑی دانشمندی اور عقلمندی کی کرتا ہے۔

یہ بات اڑتے اڑتے اس بادشاہ تک پہنچی جس کی سلطنت میں وہ مزدور تھا کہ یہاں ایک بادشاہ مزدور بنا ہوا ہے، اس سے سلطنت کے بادشاہ کو بھی فکر لاحق ہوئی کہ کہیں یہ چھپ چھپ کر مزدوری کی آڑ میں انقلاب تو نہیں لا رہا، کہیں یہ بغاوت کی فضا تو نہیں بنا رہا۔ اور بادشاہوں، وزیروں کو تو یہ فکر ہوتی ہی ہے کہ کہیں ان کی کرسی نہ ہل جائے، اس لئے اس نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے اس سے ملنا چاہئے اور مجھے اس کو بلانا چاہئے، چنانچہ اس نے فوراً احکامات جاری کئے کہ اس نقاب پوش مزدور کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے، نقاب پوش کو حاضر کر دیا گیا، کوئی بھی بادشاہ ہو دوسرے کی بادشاہت میں وہ غلام ہی ہوتا ہے، بہرحال! اس کو دربار میں پیش کیا گیا، اب بادشاہِ سلامت تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ مزدور جو اصل میں بادشاہ ہے سامنے کھڑا ہوا ہے، بادشاہ نے کہا کہ اپنا چہرہ کھولو! انہوں نے تعمیلِ حکم کی اور نقاب چہرے سے اٹھا دیا، بادشاہ چہرہ دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ کسی ملک کے تخت و تاج کا مالک اور بادشاہ ہے جیسے جوہر کو جوہری ہی جانتا ہے ایسے ہی بادشاہ کو بھی بادشاہ ہی جانتا ہے، کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

نام الٰہی جیسی لذت تخت و تاج میں نہیں

بادشاہ نے پوچھا کہ آپ کس سلطنت کے بادشاہ ہیں؟ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہاں میرے ساتھ رہیں، مجھے آپ کے قیمتی مشوروں کی ضرورت ہوگی، مجھے آپ سے تقویت ملے گی، بادشاہ نے اسے گویا اپنے پاس رہنے کی بڑی ترغیبیں دیں۔

جب وہ خاموش ہوا تو اس نقاب پوش بادشاہ نے اس بادشاہ کے کان میں چپکے سے ایک بات کہہ دی، جیسے ہی انہوں نے وہ بات کہی فوراً بادشاہ نے کاغذ پر اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور تخت سے اتر پڑا اور نقاب پوش سے کہا کہ چلو بھئی! میں بھی تمہارے ساتھ مزدوری کرتا ہوں، سارے درباری ہکا بکا رہ گئے کہ یہ ایک دم سے ہمارے بادشاہ کو کیا ہوگیا ہے، کسی نے پوچھا کہ بادشاہِ سلطنت ہمیں یہ تو بتادو کہ اس نقاب پوش نے چپکے سے آپ کے کان میں کیا بات کہی ہے، اس نے کہا کوئی عجیب بات نہیں کہی، اس نے صرف اتنا کہا ہے کہ اللہ کے نام میں ایسی لذت ہے کہ یہ ساری سلطنت اس کے آگے بیکار ہے، اللہ اکبر میں تو یونہی سلطنت میں بے کار پڑا ہوا ہوں، جب کہ اللہ کا نام ایسا پیارا ہے اور ایسی اس میں لذت ہے کہ یہ ساری کائنات کی لذتیں اس کے سامنے فنا اور قربان ہیں، تو بھئی! اس کے کہنے سے میرے

دل میں اللہ کی محبت اور عظمت آگئی ہے، اب یہ سلطنت مجھے کڑوی لگ رہی ہے، میں بھی وہیں جارہاہوں جہاں یہ رہتے ہیں، کیونکہ مجھے تو لذت چاہئے۔

اللہ کی محبت اللہ والے کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے

یہاں دو باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ یہ جو بظاہر یکا یک تبدیلی ہوئی ہے درحقیقت یہ یکا یک نہیں ہوئی بلکہ عام طور پر پہلے سے دل میں ایک تڑپ، جستجو اور لگن ہوتی ہے، پھر جب اس کا وقت آتا ہے تو یکا یک اس کا ظہور ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! ہمارے اندر طلب پیدا فرما، ایسی تڑپ اور جذبہ پیدا فرما کہ آپ کے ماسوا کی محبت دل سے نکل جائے اور آپ کے سوا دل میں کچھ نہ رہے۔

(۲) دوسرے یہ دیکھو کہ جس کو بھی کچھ مل رہا ہے براہِ راست کچھ نہیں مل رہا، چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو جو کچھ ملا وہ فرشتے کی بدولت ملا کہ فرشتے نے آکر ان کو نشتر لگایا جو ایسا دل کے پار ہوا کہ ساری سلطنتِ بلخ دل سے نکل گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق ہوگئے۔ اس طرح یہ امرؤالقیس بادشاہ تھے جنہوں نے دوسرے بادشاہ کے کان میں بات کہہ دی تو ان کو بھی

ان کی صحبت کا اثر ہوگیا، اور وہ بھی سلطنت چھوڑ کر ساتھ چل دیئے۔

دستورِ الٰہی

اللہ پاک کا دستور یہی ہے کہ وہ واقعات جو ہمیں اچانک معلوم ہوتے ہیں وہ گو کہ ظاہری طور پر اچانک معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اچانک نہیں ہوتے، وہاں بھی پہلے سے کسی نہ کسی طرح کا مجاہدہ ہو چکا ہوتا ہے، محنت اور ریاضتیں ہو چکی ہوتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی خانقاہ کا قصہ

چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ نے اس مسئلے کو حل فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان کی خدمت میں ایک شخص آیا اور آتے ہی حضرت سے مرید ہوگیا اور دو چار دن اس نے اللہ اللہ کی اور جانے لگا تو حضرتؒ نے خلافت کا ورقہ اس کے حوالہ کر دیا، یہ منظر دیکھ کر بقیہ بعض مریدین جو دس دس سال سے حضرت کی خدمت میں پڑے ہوئے تھے سارے خفا ہو گئے کہ ہم تو حضرتؒ کی خدمت میں دس سال سے ناک رگڑ رہے ہیں، رات دن چلّہ کشی کر رہے ہیں، ہمیں تو آج تک کوئی ورقہ نہیں دیا، اور یہ آج آیا اور کل خلافت کا ورقہ لیکر چل دیا۔ حضرتؒ کے کانوں میں یہ بات پہنچ گئی، حضرت چونکہ مصلح تھے اس لئے انہوں نے حکمت سے ان کی اصلاح فرمائی، جب دو چار ہفتے گذر

گئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ چلو بھئی کہیں تفریح کیلئے چلتے ہیں، چنانچہ اس بہانے حضرت تمام مریدین کو لے کر جنگل پہنچے اور فرمایا یہاں کچھ پکاؤ، کھاؤ، اور کھیلو، کودو، کچھ تفریح کرو، پھر واپس چلیں گئے، حضرت نے فرمایا کہ بھئی! جو کچھ پکانا ہے اس کے لئے جنگل سے تازہ تازہ اور گیلے گیلے تنے کاٹ کر لاؤ اور گیلی گیلی شاخیں کاٹ کر لاؤ اور انہیں چولہے کے نیچے جلاؤ، انہوں نے حضرت کا حکم سر آنکھوں پر رکھ کر گیلی گیلی لکڑیاں کاٹ کر چولہے کے نیچے رکھ دیں۔ اور اس کے نیچے سوکھے پتے بھی رکھ دیئے اور سوکھے تنکے بھی رکھ دیئے، پھر آگ لگائی، پھونک ماری مگر کیا مجال کہ کوئی لکڑی آگ پکڑے حتی کہ جلا جلا کر سب کا برا حال ہو گیا، جب بالکل وہ تھک ہار گئے تو حضرت نے فرمایا بھئی! کیا بات ہے بہت دیر ہوگئی، کیا آگ نہیں جل رہی، انہوں نے کہا کہ حضرتؒ آگ کیسے جلے لکڑیاں تو ساری گیلی ہیں، فرمایا او ہو! گیلی لکڑیوں میں آگ کیسے لگے گی، اچھا چلو سوکھی لکڑیاں لاؤ اور وہ جلاؤ، چنانچہ اب جب انہوں نے آگ لگائی تو فوراً آگ بھڑک اٹھی، اور ہانڈی میں ابال آگیا، اور گھنٹہ بھر میں سالن تیار ہو گیا، سب کھا پی اور نہا دھو کر واپس آگئے، تو حضرت نے فرمایا سب بیٹھ جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔

فرمایا پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے جو گیلی لکڑیاں پہلے جلائی تھیں ان میں آگ کیوں نہیں لگی، اور یہ سوکھی لکڑی ایک دم سے کیسے جل گئی، فرمایا بات

صاف ہے اس میں پانی تھا، اس میں آگ پکڑنے کی صلاحیت نہیں تھی، اس لئے وہ آگ نہیں پکڑ رہی تھی، اور سوکھی لکڑی میں پانی نہیں تھا، آگ پکڑنے کی صلاحیت اس میں بھرپور تھی، اس لئے ایک ہی دیا سلائی میں کام ہوگیا۔

حضرت نے فرمایا دیکھو! بات اصل میں یہی ہے کہ جو شخص میرے پاس آیا تھا اور وہ پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ کی محبت میں جلا بھنا تھا، بس اللہ کے عشق و محبت کی شمع روشن کرنے کیلئے ایک دیا سلائی دکھانے کی دیر تھی، وہ میں نے جلائی اور فوراً اللہ کی محبت کا چراغ اس کے دل میں روشن ہوگیا اور میں نے اس کو خلافت کا پروانہ دے دیا، اور تم دس سال سے میرے پاس پڑے ہوئے ہو مگر تم گیلی لکڑی کی مثل ہو، تم کچھ کرنا نہیں چاہتے، میں تو روزانہ تمہیں پھونکتا رہوں اور تمہارے دلوں میں بھی محبتِ الٰہی کی آگ جلانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن گیلی لکڑی کی طرح تمہارے دلوں میں بھی آگ روشن نہیں ہوتی، تم خود کچھ بننا نہیں چاہتے، ورنہ میں جس طرح اس کے حق میں مخلص ہوں تمہارے حق میں بھی اُس طرح مخلص ہوں، مگر تمہارے دلوں میں طلب اور تڑپ نہیں ہے، اس وجہ سے تمہارا حال جوں کا توں ہے۔

حضرت نے بڑی معقول بات ارشاد فرمائی، اور وہ سمجھ گئے کہ قصور ہمارا ہی ہے، سب نے معافی مانگی، پھر حضرت کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

عزیزانِ گرامی! اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اندر جس درجے کی

طلب اور تڑپ ہونی چاہئے۔ وہ ہمارے اندر نہیں ہے، ہم سننا تو پسند کرتے ہیں مگر اپنے آپ کو بدلنا نہیں چاہتے اور جب تک ہم اپنے آپ کو بدلنا نہیں چاہیں گے تب تک ہماری اصلاح مشکل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

(الرعد: ۱۱)

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کی حالت تبدیل نہیں فرماتے جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدلنا نہ چاہیں''۔

تو بھئی! اگر ہم اپنے آپ کو بدلنا چاہیں تو اللہ کی رحمت اسی طرح ہمیں بدلنے کے لئے تیار ہے، لیکن اس کے لئے اللہ والوں کی صحبت کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو بدلنے کی ضرورت ہے اور طلب اس کے لئے شرط ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

☆☆☆

اصلاح

کے لئے

جہدِ مسلسل کی ضرورت

اس میں اصلاح کے لئے ہمت وکوشش کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، اس کے لئے کن مستند ومعتبر اور آسان کتابوں سے مدد لی جائے؟ یہ سب کچھ آسان اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ

عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی

اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی

اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح
کے لئے
جہدِ مسلسل کی ضرورت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ ط

اَمَّا بَعْدُ !

گزشتہ منگل کو یہ بیان کیا گیا تھا کہ اصلاح کے لئے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، اور اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں رہنے سے جو اصلاح ہوتی ہے اُس میں کچھ تو بندہ ہمت کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے۔

لیکن اصل کام اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بنتا ہے، اور عام طور پر جب کوئی بندہ اخلاص سے اپنی اصلاح چاہتا ہے اور اخلاص کے ساتھ اپنی اصلاح کی کوشش شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے،

اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، اور حضرات صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس کو ''جذب'' کہتے ہیں، اور اصل کام اسی سے بنتا ہے۔ لیکن اس جذب کے لئے بھی پہلے ہمت اور کوشش کی ضرورت ہے، اخلاص کی ضرورت ہے، ہمارا جو بھی حال ہو، جیسی بھی ہماری کیفیت ہو، بہر صورت اللہ کی رضا کا طالب بن کر اپنی اصلاح کی کوشش شروع کرنی چاہئے، لہٰذا کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کرلیں، اور پھر کوشش میں لگ جائیں، ورنہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے:

''إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ''

(سورة الرعد آیت:۱۱)

ترجمہ

''اللہ پاک کسی قوم کے حال کو تبدیل نہیں فرماتے جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدلنا نہ چاہیں۔''

ہم اگر اپنے آپ کو بدلنا نہ چاہیں تو اللہ پاک کو ہمیں بدلنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہماری عبادات کی اللہ تعالیٰ کو نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے، ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ:

يَا عِبَادِىْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّىْ فَتَضُرُّوْنِىْ وَلَنْ

تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ یَاعِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا، یَاعِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا نَقَصَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا. (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص:۲۰۳)

ترجمہ

''اے میرے بندو! تم ہرگز میرے ضرر (مجھے تکلیف دینے کی حد) تک نہیں پہنچ سکو گے، تاکہ مجھے نقصان پہنچا سکو، اور ہرگز میرے نفع کو نہیں پہنچ سکو گے، تاکہ مجھے فائدہ پہنچا سکو، (گناہ کرنے سے میری بارگاہ میں کوئی نقصان نہیں اور اطاعت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ دونوں کا نفع و نقصان تمہیں ہی پہنچتا ہے، چنانچہ آگے اس کی تفصیل فرمائی کہ)۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات (غرض سب کے سب) مل کر تم میں سے کسی ایک نہایت پرہیزگار دل کی مانند ہو جاؤ تو اس سے میری

مملکت میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی (یعنی اگر تم سب کے سب اتنے پرہیزگار بن جاؤ کہ روئے زمین پر کوئی بھی ایسا شخص باقی نہ رہے جس کی زندگی پر فسق و فجور اور گناہ و معصیت کا ہلکا سا اثر بھی ہو تو اس سے میری سلطنت اور میری مملکت میں ادنیٰ سی بھی زیادتی نہیں ہوگی)۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انسان اور جنات (غرضیکہ سب کے سب) مل کر تم میں سے کسی ایک نہایت بدکار دل کی مانند ہو جاؤ (یعنی تم سب مل کر شیطان کی مانند ہو جاؤ) تو اس سے میری مملکت کی کسی ادنیٰ سی چیز کو بھی نقصان نہیں پہنچے گا"۔

لہٰذا عبادات کا فائدہ بھی ہمارے لئے اور گناہوں کا نقصان بھی ہمارے لئے ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا

(حٰمٓ السجدة : ٤٦)

ترجمہ

جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے کرتا ہے، اور جو شخص برا عمل کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔

اس لئے ہم اپنی اصلاح کے محتاج ہیں، ہمیں اپنے اخلاق واعمال سنوارنے اور اپنے آپ کو درست کرنے کی اشد ضرورت ہے، اس کے لئے ہمیں ہمت اور کوشش کرنے کی ضرورت ہے، عام طور پر ہمت اور کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت ضرور آتی ہے، اور جہاں نہیں آتی تو سمجھ لو وہاں ہمت ہی کی کمی تھی یا اخلاص نہیں تھا، آدمی کو اپنی ہمت اور اپنے اخلاص کا محض دھوکہ ہو گیا تھا، ورنہ درحقیقت نہ ہمت تھی، نہ کوشش، نہ اخلاص تھا نہ عمل کا جذبہ، اس لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت وہاں پر متوجہ نہیں ہوئی اور جذب نہیں ہوا۔

ہمت کی پیاری مثال

ہمت وکوشش کی ہمارے بزرگ بڑی پیاری مثال دیا کرتے ہیں کہ اس کی مثال بچے کی سی ہے، جو نیا نیا چلنا سیکھتا ہے، ماں باپ اس کو اس طرح چلاتے ہیں کہ اس کو کھڑا کر دیتے ہیں اور کچھ فاصلے پر خود بیٹھ جاتے ہیں، اور اُس سے کہتے ہیں کہ "آؤ، چلو" اب وہ بچہ کھڑا ہوتا ہے تو کھڑا ہوتے ہوئے بھی ایسا لگتا ہے کہ جیسے ابھی گرے گا، لیکن اسی حالت میں وہ ایک قدم بڑی مشکل سے رکھتا ہے، پھر دوسرا رکھتا ہے اور پھر جب گرنے لگتا ہے تو فوراً ماں باپ اس کو پکڑ لیتے ہیں اور صرف گرنے سے ہی نہیں بچاتے بلکہ فوراً اپنے گلے سے بھی لگا لیتے ہیں اور شاباش بھی دیتے ہیں کہ بھئی تم بہت چل پڑے ماشاء

اللہ۔ حالانکہ وہ دو قدم بھی نہیں چلا تھا، مگر پھر بھی شاباش دیتے ہیں، ہمت اور حوصلہ بڑھاتے ہیں، اس کو گلے سے لگاتے ہیں، تو ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ بس یہی مثال ہماری ہے کہ جب ہم اپنی اصلاح کے لئے چلیں گے تو بالکل بچے کی طرح ہم کھڑے ہوں گے، ہماری ہمت بھی ناقص ہوگی، ہمارا حوصلہ بھی ناقص ہوگا، کبھی چلیں گے کبھی گریں گے، جیسے بچہ جب زیادہ گرنے لگتا ہے تو ماں باپ اس کو فوراً پکڑ لیتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا ہاتھ تھام لیتے ہیں جب وہ گرنے لگتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی کا ہاتھ تھام لیتے ہیں تو پھر اس کے بہکنے، بھٹکنے اور گمراہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا، اب وہ نہیں پھسلے گا، اور نہ ہی گرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ دیکھو اگر یہ بچہ قدم ہی نہ اٹھائے اور چلنے کا ارادہ ہی نہ کرے، بیٹھا ہی رہے تو کیا ماں باپ اس کو چلا دیں گے؟ ماں باپ اسے کیونکر چلائیں گے؟ پہلے وہ خود تو چلنے کی ہمت کرے، کھڑا تو ہو، اگر کھڑا نہیں ہوا جا رہا تو وہ کھڑا بھی کر دیں گے، لیکن کھڑا ہو کر یہ نہیں کہ ماں باپ خود ہی اس کا پاؤں بھی اٹھائیں، اور والدین ایسا کریں گے تو وہ بچہ چلنا سیکھ نہیں سکتا، چلنے کے لئے ہمت کرنا ضروری ہے، پہلے بچہ ہی قدم اٹھائے گا، اس طرح ایک دو دفعہ تو ماں باپ سہارا دیں گے لیکن پھر جب چلے گا تو زندگی بھر چلے گا، موت پر ہی جا کر اس کا چلنا ختم ہوگا، اور اگر کسی نے یہ سوچ کر پہلا قدم ہی نہ اٹھایا کہ میں گر

جاؤں گا لہٰذا میں تو پاؤں نہیں اٹھاؤں گا، کون چلے بھئی، ماں باپ ہر وقت گود میں لئے پھریں، بس یہی کافی ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ کبھی چلنا نہیں سیکھ سکتا۔

ہمت کرنے کا طریقہ

اسی طرح یہاں بھی پہلے خود ہمت کرنی ہوگی اور ہمت کا طریقہ یہ ہے کہ طالب اصلاح پختہ عزم کرے کہ میں سارے گناہ چھوڑتا ہوں چاہے کچھ بھی ہو جائے، جتنے بھی منکرات ہمارے معاشرے میں رائج ہیں ان سب سے توبہ کرتا ہوں، جتنے غلط کام کئے ہیں ان سب سے سچی توبہ کرتا ہوں، اور آئندہ میں گناہوں کے قریب نہیں پھٹکوں گا، نیز اس بات کی ہمت کرنی ہوگی کہ اب سے نماز باجماعت پابندی سے ادا کروں گا، روزے رکھوں گا، زکوٰۃ دوں گا، حج کروں گا، صبح سے شام تک میرے ذمہ جتنے فرائض اور حقوق العباد ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پابندی کے ساتھ ادا کروں گا، اس کے لئے پختہ ہمت اور مضبوط حوصلے کی ضرورت ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان سب کاموں کا پکا عزم کرنا ہوگا، ان کاموں کو کرنے کی ہمت کرنی ہوگی، ہمت کرنے کے بعد جب آدمی چلے گا تو ظاہر ہے راستے میں طرح طرح کے کانٹے بھی ہوں گے، خامیاں بھی ہوں گی، اور اندھیرے بھی ہوں گے، جس سے کبھی وہ بھٹک بھی جائے

گا، بہک بھی جائے گا، لیکن جیسے ماں باپ بچے کو گرنے سے بچا لیتے ہیں ایسے ہی جب اس نے اخلاص اور ہمت مردانہ کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور شاملِ حال ہوگی، اور مرشد و شیخ کی راہنمائی شاملِ حال رہے گی وہ رہنمائی کرے گا، ترکیب و تدبیر بتائے گا کہ اب اس طرح کرو، اب اُس طرح کرو، اور وہ اُس کے مطابق چلتا رہے گا، تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر اس کو اللہ تعالیٰ اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیں گے اور وہ گرنے، بہکنے، بھٹکنے اور گمراہ ہونے سے بچ جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (العنکبوت: ۶۹)

ترجمہ

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھائیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے''۔

جذب کی شرط

واضح رہے کہ جذب کے بغیر کام نہیں چلتا، مگر جذب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت ہوتا ہے جب کوئی گناہوں کو چھوڑنے کی ہمت کرتا ہے،

اپنے اعمال واخلاق کے سنوارنے کی ہمت کرتا ہے، تو جب وہ ہمت کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جذب ہوگا۔

سلسلۂ امدادیہ کی خاصیت

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کے سلسلہ میں جس سے ہم لوگ وابستہ ہیں بہت جلدی جذب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت جلد بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اسی رحمت سے اور جذب سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا صحیح تعلق نصیب ہو جاتا ہے، تو یہ جذب ہمارے سلسلے میں بہت جلدی ہوتا ہے، اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اس سلسلے میں اتباعِ سنت کا اہتمام بہت زیادہ ہوتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا سلسلہ بھی حضرت حاجی صاحبؒ والا سلسلہ ہے، اس سلسلہ میں سنتوں پر چلنے کی بہت زیادہ تاکید کی جاتی ہے، گویا یہاں اول تا آخر جو طریقہ ہے وہ سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے، اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ میں جو کشش ہے وہ کسی بھی طریقے میں نہیں ہو سکتی۔

اجتماعی ذکر کی شرعی حیثیت وصحیح طریقہ

الحمد للہ اس مبارک سلسلے میں ہر کام سنت کے مطابق کرنے کی پوری

کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ اگر ذکر کیا یا کرا جاتا ہے تو وہ بھی سنت کے دائرے میں ہوتا ہے، اس سلسلے میں آپ کو کہیں بھی اجتماعی ذکر کے حلقے نظر نہیں آئیں گے، جبکہ بعض دیگر سلسلوں میں عجیب و غریب طریقوں سے ذکر ہوتا ہے، وہاں باقاعدہ ایک لمبا چوڑا حلقہ ہوتا ہے، بیچ میں پیر صاحب ہوتے ہیں اور چاروں طرف اُن کے مریدین۔ اور پھر اجتماعی طور پر ذکر بالجہر ہوتا ہے جس میں لوگ عجیب عجیب شکلیں اختیار کرتے ہیں، ہمارے ہاں کوئی حلقہ نہیں ہے، کوئی اجتماعی ذکر نہیں ہے، اور نہ ہی اجتماعی طور پر درود پڑھا جاتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طریقے سے اجتماعی طور پر ذکر کرنا اور کرانا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، بعض بزرگانِ دین جو اس کو اختیار کرتے ہیں وہ بھی محض علاج کے طور پر اختیار کرتے ہیں، تاکہ مریدین کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر راسخ ہو جائے اور رچ بس جائے، اس نیت سے اگر وہ عارضی طور پر کچھ دن کے لئے کرائیں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی اور منکر شرعی نہ پایا جائے، اور اس مخصوص طریقہ کو سنت نہ سمجھا جائے بلکہ علاج کا ایک طریقہ سمجھا جائے، تیز علاج کی حد تک اس پر عمل ہو، مقصد پورا ہونے کے بعد مسنون طریقے پر ذکر کیا جائے۔

غیر مقصود کو مقصود سمجھنا غلطی ہے

مشائخ صوفیاء نے حلقوں کی صورت میں ذکر اس لئے شروع کرایا

تھا تا کہ ذکر جو اصل مقصود ہے وہ دل میں راسخ ہو جائے، لیکن رفتہ رفتہ لوگوں نے اس اجتماعی ذکر کو ہی اصل اور ضروری سمجھ لیا کہ اس کے بغیر اصلاح ہی نہیں ہو سکتی اور اس طریقے سے جو ذکر کراتا ہے صحیح معنوں میں اسی کا نام اصلاح و تربیت ہے، اور جو اس طریقے سے اصلاح نہ کرائے وہ کوئی اصلاح ہی نہیں ہے، تو لیجئے! یہ غلط راستے پر چل پڑے، اکثر اجتماعی ذکر کرانے والوں میں یہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ خرابیاں پیدا ہو جانے کے بعد وہ اجتماعی ذکر کرنا ہی ناجائز ہو جاتا ہے، اس خرابی کی وجہ یہ ہے کہ بے شک انہوں نے ایک جائز مقصد کے لئے اس کو اختیار کیا، اور جس حد تک اختیار کیا تھا وہ بھی جائز تھا، لیکن سنت نہ تھا، اور سنت نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر وہ بدعت بن گیا، ایک ناجائز رسم بن گئی۔ اور ساری طریقت کا خلاصہ یہ بات رہ گئی کہ بس روزانہ یا ہفتے میں ایک مرتبہ شیخ کے پاس جاؤ، اس کے حلقے میں بیٹھو اور اجتماعی ذکر کر کے آجاؤ، مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، حلقے کی حاضری ہی سب کچھ ہے، حالانکہ یہ نہ سنت ہے، نہ فرض و واجب، اجتماع بذاتِ خود کچھ بھی نہیں، ہاں نفس ذکر بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے لیکن وہ بھی نفل کے درجے میں ہے، مگر اجتماعیت تو کچھ بھی نہیں ہے وہ تو محض بغرضِ تعلیم یا بغرضِ تاثیر مصلحتاً بطورِ علاج اختیار کی گئی تھی، اب جناب! اسی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا، جو چیز مقصود نہ تھی اسی کو مقصود سمجھ لیا، سنت سے ہٹ کر کام کرنے میں یہ

خرابی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کے سلسلے میں بڑی جلدی جذب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یہاں سنت کی تاکید بہت زیادہ کی جاتی ہے، سنت کی تعلیم و تلقین بہت زیادہ ہوتی ہے، اور آپ سے عرض کرنے کا منشاء بھی یہی ہے کہ اگر ہم اس سلسلے سے وابستہ ہونا چاہتے ہیں اور ہونا بھی چاہئے تو بھئی! ہمیں فوراً اس کام کا اہتمام شروع کرنا چاہئے کہ ہمارے عمل میں سنتیں آجائیں، اور اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ ہماری صبح سے شام تک کی زندگی سنت کے مطابق گزرتی ہے، یا خلافِ سنت گزرتی ہے؟ جتنے کام ہم صبح سے شام تک کرتے ہیں یاد رکھئے وہ ہم سنت کے مطابق بھی کر سکتے ہیں جیسے کہ انہیں خلافِ سنت کرنے کی ہماری عادت بنی ہوئی ہے، ہمیں اس عادت کو بدلنے کی ضرورت ہے اور یہ یاد رکھیں کہ سنت کے مطابق اگر ہم ان کاموں کو انجام دیں گے تو بھی اس میں کوئی اضافی وقت خرچ نہیں ہوگا، اور انشاء اللہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا۔

سنت کے مطابق کام کرنے کا فائدہ

جو کام ہم صبح سے شام تک کرتے ہیں اور جتنی دیر میں کرتے ہیں سنت کے مطابق ان کو انجام دینے میں بھی کوئی اضافی وقت نہیں لگے گا، اتنا ہی وقت لگے گا، لیکن اس کام کی برکات میں زمین و آسمان کا فرق ہو جائے گا، کہ

پہلے وہ کام سنت کے مطابق نہ تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر کوئی نور نہیں تھا، اس میں کوئی اجر وثواب نہیں تھا، اور جب وہ کام جو بذاتِ خود جائز اور مباح تھا جب اس کو سنت کے مطابق کیا تو وہ نورِ سنت سے بھر گیا، اور اس میں محبوبیت آگئی جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو بہت جلد اپنے قریب کر لیتے ہیں، اور اپنا محبوب بنا لیتے ہیں، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(آل عمران : ۳۱)

ترجمہ

”آپ فرما دیجئے! اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف فرمانے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں“۔

مسنون اعمالِ زندگی

صبح سے شام تک جتنے بھی کام ہم انجام دیتے ہیں ان کا آپ اندازہ

کر لیجئے مثلاً سب سے پہلے نیند سے بیدار ہوتا ہے، ایک تو نیند سے ہم اپنی طبیعت کے مطابق بیدار ہوتے ہیں کہ بستر سے اٹھے اور چل پڑے اور جو کچھ کیا اپنی مرضی کے مطابق کیا، لیکن احادیث میں سنت کے مطابق اٹھنے کا طریقہ بھی موجود ہے کہ جب آنکھ کھلے تو کیا کریں؟ بستر سے اتریں تو کیا کریں؟ بیت الخلاء جانے کا بھی مسنون طریقہ ہے، استنجاء کرنے کا بھی مسنون طریقہ ہے، استنجاء کرنے کے بعد آئے تو اب کپڑے پہننے ہیں اس کا بھی مسنون طریقہ ہے، ہم اپنی مرضی سے بھی پہن سکتے ہیں، اور سنت کے مطابق بھی پہن سکتے ہیں، کتاب میں دیکھیں اور سنت کے مطابق لباس پہنیں۔ اس کے بعد اب وضو کرنا ہے، جو ہم اپنی مرضی سے بھی کرتے ہیں، الٹا سیدھا جیسا ہمیں آتا ہے کر لیتے ہیں، لیکن سنت کا طریقہ بھی موجود ہے، اور اس کے لئے کتاب بھی موجود ہے جس میں سارا طریقہ لکھا ہوا ہے، اسی طرح اب نماز پڑھنے کے لئے ہم چلیں گے تو گھر سے نکلنے کی سنت بھی موجود ہے کہ کس طرح گھر سے سنت کے مطابق نکلنا چاہئے اور مسجد کی طرف ہمیں کس طرح چلنا چاہئے؟ ہم اپنی طبیعت سے بھی چلتے ہیں، لیکن مسجد کی طرف چلنے کا مسنون طریقہ بھی ہے کہ کیا پڑھتے ہوئے چلنا چاہئے، مسجد کے قریب پہنچیں تو اس میں ہم اپنی مرضی سے داخل ہوتے ہیں لیکن اس کی بھی سنت ہے، مسجد میں داخل ہونے کا ایک خاص طریقہ ہے، پھر مسجد میں جا کر ہم جس طرح چاہتے

ہیں بیٹھتے اور نماز پڑھتے ہیں، یہ طریقہ ہمارا اپنا ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، لیکن مسجد میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے کیا کرنا اور کیا پڑھنا چاہئے؟ اس کا بھی ایک مسنون طریقہ ہے، اور جب مسجد سے نکلیں تو اس کا بھی ایک مسنون طریقہ ہے، مسجد سے نکلنے کے بعد فجر میں کسی کا معمول اپنے گھر آنے کا ہوتا ہے، کسی کا معمولی ورزش کرنے کا ہوتا ہے، کسی کا معمولی تفریح کا ہوتا ہے، ان تینوں کا سنت طریقہ بھی موجود ہے، اور اپنی مرضی کا بھی، اور گھر واپس آ رہے ہیں تو اس کا بھی ایک طریقہ ہے، پھر گھر میں داخل ہونے کا بھی ایک طریقہ ہے کہ کس طرح گھر میں داخل ہونا چاہئے، اب گھر میں آنے کے بعد پھر کیا کرنا چاہئے، ناشتہ کرنا ہے تو اس کا بھی ایک مسنون طریقہ ہے، اس کے بعد عام لوگ حلال روزی کمانے جاتے ہیں، اور طلباء وہ پڑھنے جاتے ہیں، ان کے لئے بھی ایک مسنون طریقہ ہے کہ کس طرح اپنے کمرے سے نکل کر تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائیں؟ کیا نیت کریں؟ اور کس نیت کے ساتھ کمرے سے نکل کر روزی کمانے والے روزی کمانے جائیں؟ کس نیت سے اور کیا پڑھ کر اپنے گھر سے نکلیں؟ اسی طرح جب تک دوکان پر یا ملازمت پر رہیں تو وہاں کیا کریں، وہاں کے لئے بھی احکام موجود ہیں، تو بھئی! انہی طریقوں سے شام تک کے مسنون اعمال ہیں، شام تک نمازیں بھی آئیں گی، اس میں پھر مسجد کی طرف جانا، وہاں جا کر جوتے

اتارنا، استنجاء کرنا، جوتے پہننا اور مسجد سے باہر آنا وغیرہ ان میں سب سنتیں ہی سنتیں ہیں، اسی طرح آپ کی شام ہو جائے گی، شام ہونے کے بعد اب واپس گھر جانا ہے تو اب گھر واپس کس طرح جانا چاہئے، گھر میں کس طرح داخل ہونا چاہئے اور گھر میں داخل ہو کر کیا کرنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہو کر کیا کرتے تھے؟ ساری سنتیں موجود ہیں۔ لیکن ہم اپنی مرضی سے داخل ہوتے ہیں، ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ گھر میں کس طرح داخل ہونا چاہئے؟ ہم اپنی حسب منشاء جو جو چاہتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں، کرتے ہیں لیکن وہی کام ہم اپنی مرضی سے ہٹ کر سنت کے مطابق بھی کر سکتے ہیں۔

مسنون زندگی گزارنے کے لئے دو رہنما کتابیں

ان کاموں کے لئے دو کتابیں بہت بہترین اور بہت آسان ہیں، وہ کتابیں ہمیں ضرور لے لینی چاہئیں۔ ان میں سے ایک کتاب ''علیکم بسنتی'' ہے جو اردو زبان میں ہے، انتہائی سادہ اور آسان ہے، مکتبہ دار العلوم میں دستیاب ہے، جب چاہو خرید لو اور خرید کر سرہانے رکھ لو، اس میں چوبیس گھنٹے کی سنتیں لکھی ہوئی ہیں، جس وقت آدمی سوتا ہے سونے سے لیکر دوبارہ سونے تک کی تمام سنتیں اس کے اندر لکھی ہوئی ہیں، اُس کے مطابق اگر آدمی ایک ایک سنت اپنے عمل میں لے آئے تو چوبیس گھنٹے سنت کے مطابق گذار سکتا

ہے، صبح وشام اس کتاب کا مطالعہ کرو، اور روزانہ ایک ایک دو دو سنتیں اپنے عمل میں لاؤ، اپنے بچوں کے عمل میں لاؤ، اس طریقے سے ہم چوبیس گھنٹے سنتوں کے پابند ہو سکتے ہیں۔ کھانے کی سنتیں، پہننے کی سنتیں، سونے جاگنے کی سنتیں، کپڑے پہننے اتارنے کی سنتیں، جوتے پہننے اتارنے کی سنتیں، مسجد میں داخل ہونے کی سنتیں۔ ہم روزانہ یہی کام کرتے ہیں، اگر یہی کام سنت کے مطابق ہوں گے تو کوئی مزید وقت خرچ نہیں ہوگا، لیکن ہمارے یہ سارے کام سنت میں داخل ہو جائیں گے اور سنت میں داخل ہونے کی وجہ سے یہ سارے کام عبادت بن جائیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہو جائیں گے، اس کے علاوہ ایک اور کتاب ہے جو اس کتاب کی گویا شرح ہے اور وہ ہے ''اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' یہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحبؒ کی لکھی ہوئی ہے اور تفصیلی کتاب ہے۔

''علیکم بسنتی'' جب پوری ہو جائے تو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اس کے اندر تفصیل سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور آپ ﷺ کے معمولات جمع کیے گئے ہیں، اور ان میں بتایا گیا ہے کہ کس طریقے سے انسان کو اپنی زندگی گزارنی چاہئے، اس میں پیدائش سے لیکر موت تک کی تمام سنتیں لکھ دی گئی ہیں، ہر شعبۂ زندگی کے بارے میں حضور ﷺ کا تذکرہ ہے کہ فلاں موقع پر آپ ﷺ کس طریقے سے عمل فرمایا کرتے تھے، فلاں موقع پر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، یہ ساری باتیں اس کے اندر لکھی ہوئی ہیں۔ اگر یہ دو کتابیں ہمارے پاس ہوں تو الحمد للہ ہم بہت حد تک اپنی زندگی سنت کے سانچے میں ڈھالنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ دو کتابیں ہمارے پاس ضرور ہونی چاہئیں، اور اتباع سنت اور اس پر عمل کی تعلیم و تاکید کی وجہ سے یاد رکھئے! حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلے میں نہ بڑے بڑے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، نہ بڑی بڑی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔

سنت پر عمل کرنے کے دو فائدے

سنت پر عمل کرنے کے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ اس پر عمل کرنے میں سراسر سہولت ہی سہولت ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سنت میں محبوبیت ہوتی ہے، سبحان اللہ، اور انسان کو یہی دو چیزیں چاہئیں کہ ''محنت کم ثواب زیادہ، مشقت کم اجر زیادہ''۔ بس سنت میں یہ بات موجود ہے کہ جس سنت کو بھی آپ دیکھیں گے اس میں آپ کو بہت زیادہ سہولت نظر آئے گی، آسانی نظر آئے گی، اور سنت سے ہٹ کر جو کام بھی ہوگا وہ مشقت والا ہوگا، دشواری والا ہوگا، اور خاص محبوبیت سے بھی خالی ہوگا اور سنت کے مطابق جو کام ہوگا وہ آسان ترین اور محبوب ترین ہوگا، بہر حال سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ کے سلسلہ میں بہت جلدی بندہ اللہ

تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے، اور جیسے ہی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ پھر اللہ تعالیٰ جلد اسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

محبوبِ خدا بننے کا آسان نسخہ

سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں تو جو شخص ان کی سنتوں پر عمل پیرا ہوگا وہ بھی انہی کے روپ میں ہوگا، اور جو محبوب کے روپ میں ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا، جیسا کہ ابھی اوپر آیت ذکر کی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے کو اپنا محبوب بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

اس پر مجھے دو قصے یاد آگئے، سب کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے میں فرعون کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لئے اس کے دربار میں پہنچ کر دو معجزے دکھائے۔

(۱) ید بیضاء (۲) عصا کا معجزہ

ایک ''ید بیضاء'' کا معجزہ دکھلایا اور ایک اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال کر اژدھا بننے کا معجزہ دکھایا۔ ''ید بیضاء'' کا معجزہ یہ تھا کہ جب وہ اپنا ہاتھ اپنی

بغل میں ڈالتے اور نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکتا تھا، وہ اس قدر روشن ہوجاتا تھا کہ جیسے چاند روشن ہوتا ہے، اور جب دوبارہ اندر کرتے تو پھر وہ پہلے کی طرح ہوجاتا تھا یہ ان کا ایک معجزہ تھا جسے ''ید بیضاء'' کا معجزہ کہتے ہیں۔

دوسرا معجزہ اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمایا تھا کہ ان کے ہاتھ میں جو لاٹھی ہوتی تھی وہ اگر زمین پر ڈالتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ ایک زبردست اژدھا بن جاتی تھی پھر دوبارہ ہاتھ میں لیتے تو ویسی کی ویسی لاٹھی بن جاتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دونوں معجزے فرعون کو دکھلائے اور کہا کہ ''میں تم کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں'' لیکن اس نے انکار کردیا اور اس نے کہا کہ:

إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ۔ (الاعراف: ۱۰۹)

ترجمہ

''واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے''

اور اس زمانے میں جادوگری اپنے شباب پر تھی، چنانچہ اس نے اعلان کروایا کہ ''میری مملکت میں جتنے بھی چوٹی کے جادوگر ہیں وہ سب فلاں دن، فلاں تاریخ میں جمع ہوجائیں ان سب کا موسیٰ (علیہ السلام) سے مقابلہ ہوگا'' سب کو جمع کیا گیا، بڑے بڑے جادوگر دارالسلطنت میں جمع ہوگئے، ایک طرف موسیٰ علیہ السلام اکیلے کھڑے ہیں اور دوسری طرف تقریباً ایک

لاکھ جادوگر ہیں اور مقابلہ دیکھنے کے لئے پوری خلقت ٹوٹی پڑی، اور لوگوں کا ایک ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر اس مقابلے کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا۔

جادوگروں کی خفیہ میٹنگ

جس وقت یہ جادوگر میدان میں آئے اس سے پہلے ان کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی، جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوْا النَّجْوٰى

(طٰہٰ: ۶۲)

ترجمہ

''پھر آپس میں اپنے کام پر جھگڑنے لگے اور چھپ کر مشورہ کیا۔''

اس میں انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ ''بھئی! ہمارا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور ان کے بارے میں یہ امکان ہے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں، اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہوئے تو ظاہر ہے کہ ہمارا جادو ان کے سامنے چل نہیں سکتا، اور ہم کبھی بھی ان کے سامنے کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ خدا کی طاقت کے سامنے ہماری خیالی طاقت کی کیا حیثیت ہے، لامحالہ ہم لوگ ناکام ہوں گے، اور نبی کا مقابلہ کرنے والا کبھی بچتا نہیں، تو جیسے ہی ہم ان کے مقابلے سے ہٹیں گے قہر الٰہی ہمیں ہلاک کر دے گا، تو

پہلے اس قہر سے بچنے کا کوئی انتظام کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ مقابلے میں ہم بالکل ہی مٹ جائیں اور اگر یہ واقعۃً جادوگر ہیں تو پھر گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میدان ہمارے ہاتھ ہوگا، یہ ہم سے جیت نہیں سکتے۔ لیکن اگر خدا کے پیغمبر ہیں تو پھر ہم ان سے نہیں جیت سکتے۔'' یہ انہوں نے آپس میں میٹنگ کی اور سب نے اپنی حفاظت کا انتظام سوچا اور سوچ کر یہ کہا کہ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آرہی کہ اگر یہ پیغمبر ہوئے اور ہم ان کے مقابلے میں ہار گئے تو ہم اللہ کے عذاب سے کیسے بچیں گے؟ ایک نے کہا کہ: ''بھئی! ویسے تو خدا کے عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا، لیکن ایسا کرو کہ موسیٰ علیہ السلام کا روپ دھارلو جیسا ان کا لباس اور پوشاک ہے، ان کی وضع قطع ہے ویسی تم بھی اپنالو شاید اللہ تعالیٰ کو اس ظاہری شکل بنانے پر رحم آجائے اور وہ ہم کو اپنے قہر و عذاب سے محفوظ کردیں۔'' لہٰذا ان سب نے اس ترکیب پر عمل کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام جیسا اپنا روپ بنالیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی شکل و صورت اختیار کرلی ویسا ہی چوغہ، ویسا ہی لباس، ویسا ہی ازار، غرضیکہ بالکل ان کی ہی وضع قطع، شکل وصورت بنالی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام ان کے پیر اور یہ ان کے مرید ہیں۔

اب ان کا مقابلہ شروع ہوا تو مقابلے سے پہلے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ:

یَامُوسٰی اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّا أَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی

(طٰہٰ: ٦٥)

ترجمہ

''اے موسیٰ! آپ (اپنی لاٹھی) پہلے ڈالیں گے یا ہم (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پہلے ڈالیں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

بَلْ اَلْقُوْا

ترجمہ

نہیں تم ہی پہلے ڈالو۔

یعنی پہلے تم اپنا کرتب دکھا دو، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پر بھی پیغمبرانہ فرض ادا فرمایا اور ان سے فرمایا کہ ''تم لوگوں کو کیا ہوا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر آئے ہو، نالائقو! تم اللہ تعالیٰ پر کیوں تہمت اور الزام لگاتے ہو؟ جادو دکھا کر کیوں لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہو؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں خدا کا عذاب پکڑ لے۔'' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خوف دلایا کہ دیکھو تم کس کے مقابلے پر آئے ہو۔ اور جس نے بھی اللہ کا مقابلہ کیا تو سمجھ لو کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا، جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تو فوراً وہ ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ'' کہنے

لگے دیکھو یہ تو وہی بات نکلی جو ہم تم سے کہہ رہے تھے، ہم نے خفیہ میٹنگ میں جو بات کہی تھی یہ تو وہی لگ رہی ہے، کون جادوگر ایسی نصیحت کرتا ہے، اور کون سا جادوگر میدان میں آکر اس طریقے سے عذابِ الٰہی سے ڈرایا کرتا ہے؟ یہ تو واقعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔'' تو ان کے دلوں میں خوف آ گیا اور اندر ہی اندر وہ گھبرا گئے کہ بھئی! یہ تو جادوگر سے مقابلہ نہیں ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر ہی سے مقابلہ ہے، لیکن خیر اب تو وہ میدان میں اتر ہی چکے تھے، لہٰذا اب ان جادوگروں نے اپنی رسیاں، اپنی لاٹھیاں اور اپنی قمچیاں میدان میں ڈالیں اور جادو کے زور سے لوگوں کی نظروں پر نظر بندی کر دی، حقیقت میں تو وہ سب رسیاں اور لاٹھیاں ہی تھیں لیکن لوگوں کی نظروں پر اور دماغوں پر انہوں نے ایسا جادو کیا کہ جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سمیت سب لوگوں کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے سارا میدان سانپوں اور بچھوؤں سے بھرا ہوا ہے، پوری خلقت پر دہشت طاری ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی طبعی طور پر خوف محسوس ہونے لگا کہ اتنے سارے سانپ بچھو ہیں، اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی طبعی طور پر حالات و واقعات سے متاثر ہوتے ہیں، لیکن عقلاً تو وہ استقلال کا پہاڑ ہوتے ہیں، بہر حال موسیٰ علیہ السلام بھی فطری طور پر ڈرے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی. (طٰہٰ: ٦٨)

ترجمہ

''ہم نے کہا کہ اے موسیٰ آپ ڈریئے نہیں، آپ ہی غالب آنے والے ہیں''۔

مقابلہ شروع ہوا، جب موسیٰ علیہ السلام کی باری آئی تو آپ کے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی، آپ نے اللہ کا نام لے کر اس کو زمین پر ڈالا تو وہ ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا جس نے تیز رفتاری کے ساتھ دائیں جانب سے تمام سانپوں اور بچھوؤں کو نگلنا شروع کیا اور یعنی ذرا سی دیر میں سارے میدان کو چٹ کر گیا اور سارے سانپ اور بچھو اس نے نگل کر ختم کر دیئے، جادو تو ایسا نہیں ہوا کرتا کہ جو سانپ اور بچھوؤں کو نگل کر ختم کر دے، ابھی اوپر میں نے بتایا تھا کہ اصل میں وہ لکڑیاں تھیں، رسیاں تھیں، اور میدان میں بھی رسیاں ہی پڑی ہوئی تھیں، جادو کے زور سے ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں، جادو کے زور سے وہ سانپ جیسی معلوم ہو رہی تھیں، حقیقت میں وہ ویسی کی ویسی ہی تھیں، لیکن اژدھے نے ان لکڑیوں، رسیوں اور قمچیوں کو کھا کر ختم کر دیا، جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی واپس ہاتھ میں لی تو لاٹھی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا میدان صاف ہو چکا تھا تمام جادوگر حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا، یہ تو جادو ہو ہی نہیں سکتا جو لکڑیوں کو کھا جائے، رسیوں کو نگل جانے اور قمچیوں کو کھا جانے، یہ معجزہ ہی

ہوسکتا ہے، چونکہ وہ جادو کی حقیقت سے باخبر تھے اور پہلے ہی ان کو کھٹکا ہو چکا تھا، اس لئے جیسے ہی انہوں نے یہ دیکھا فوراً وہ سجدے میں گر گئے اور کہا:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ

(الأعراف: ۱۲۲)

ترجمہ

''ہم رب العالمین پر ایمان لائے (وہ رب العالمین) جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے''۔

یہ مردود ہمارا رب نہیں جو سامنے بیٹھا ہے یعنی فرعون، اس پر ایمان کی تجدید نہیں ہو رہی ہے بلکہ اس رب العالمین پر ایمان لایا جا رہا ہے جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے۔

فرعون جو یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا کہ یہ سب بھی اس کی طرف چلے گئے ہیں پہلے تو صورتاً اس کے تھے اب سیرۃً بھی اس کے ہمنوا ہو گئے تو اس نے اپنی کرسی بچانے کے لئے سیاست شروع کی اور ایک دم کہا:

اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ. (طٰهٰ: ۷۱)

ترجمہ

''قبل اس کے کہ میں تمہیں (مذہب بدلنے کی) اجازت

دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے، واقعی وہ تمہارا بھی بڑا
ہے کہ اس نے تم کو سحر (جادو) سکھلایا ہے"۔

یعنی تم میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے، پوچھا بھی نہیں، خبردار! اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا، تمہیں سولی دوں گا، اور ایسی سزا دوں گا کہ کسی نے آج تک ایسی سزا نہیں دی ہوگی، تمہارے دائیں اور بائیں جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں درختوں کے تنوں پر لٹکا دوں گا۔ مگر ان کے دلوں میں تو ایمان گھر کر چکا تھا، اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کے اندر بھی ایمان کو راسخ فرمادے اور اس میں جو بھی کمزوری ہے اس کو دور فرمادے (آمین)۔

بہر حال! جواب میں انہوں نے یہ یک زبان ہو کر کہا کہ:

فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ، إِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا. (طٰہٰ: ۷۲)

ترجمہ

"جو کچھ تجھے کرنا ہے، کر ڈال تو صرف اس دنیا کی زندگی
میں ہی کچھ کر سکتا ہے"۔

یعنی تو زیادہ سے زیادہ دنیا کی یہ زندگی ختم کر سکتا ہے، اس سے آگے تو تیرا بس نہیں چلتا، تو قتل ہی تو کرے گا، اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کر سکتا، لے یہ بھی کر گزر، ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش

دے اور اس گناہ سے بھی ہمیں اللہ تعالیٰ معافی دے۔ یہ قصہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

صرف جادوگر ہی ایمان کیوں لائے؟

اس قصے کے بعد علماء کرام نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ دیکھنے والے صرف جادوگر ہی نہیں تھے، فرعون بھی معجزہ دیکھنے والوں میں تھا، آل فرعون بھی سب کے سب معجزہ دیکھنے والے تھے اور پوری خلقت معجزہ دیکھنے والی تھی لیکن حاضرین میں سے صرف جادوگروں کو ایمان نصیب ہوا، باقی جو تماشہ دیکھنے والے تھے ان کو ایمان نصیب نہ ہوا، اور فرعون و آل فرعون کو بھی ایمان نصیب نہ ہوا، اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء کرام نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روپ میں تھے، اللہ اللہ، انہوں نے اپنی ظاہری شکل وصورت حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی بنائی تھی اس لئے ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہوگئی، کیونکہ محبوب کی صورت بھی محبوب ہوتی ہے، س لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں ایمان کی دولت اتار دی اور باقی تماشہ بین جو موسیٰ علیہ السلام کے روپ میں نہ تھے وہ ایمان سے محروم رہے۔ لہذا اگر ہم سنت کو اپنا لیں اور اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت ضرور حاصل ہوگی، بندہ بہت جلدی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائیگا، اس میں مشقت اور

مجاہدے بھی زیادہ نہیں کرنے پڑتے، ریاضتیں بھی زیادہ نہیں کرنی پڑتیں۔

شاہی سلوک

اس لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بھئی! ہمارا یہ سلوک تو شاہی سلوک ہے، ''اللہ اللہ'' حضرت نے کیا خوب فرمایا، کہ جیسے بادشاہ بڑے آرام و راحت میں رہتا ہے ایسے ہی ہمارے ہاں بھی کوئی زیادہ ریاضتیں، مجاہدے اور مشقت نہیں ہے، کوئی دشواری نہیں ہے، بہت ہلکا پھلکا کام ہے اور سب سے ہلکا کام یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنت کا پابند بنالیں، چوبیس گھنٹے سنت کے مطابق گزارنا سیکھ لیں اور جو تھوڑے بہت معمولات بتائے جاتے ہیں ان کی پابندی کرلیں، اور شیخ سے اپنا رابطہ رکھیں، اسی میں سلوک[1] طے ہو جاتا ہے اور اسی سے اس کے اندر جذب ہو جاتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہو جاتا ہے۔

ایک بہروپئے کی بخشش

ایک دوسرا واقعہ بھی بنی اسرائیل کا ہے وہ بھی اسی طرح کی ایک مثال ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا بڑا عجیب وغریب واقعہ ہے اور

---

[1] یہاں سلوک سے مراد اردو کا سلوک نہیں ہے، بلکہ عربی زبان میں چلنے کو سلوک کہتے ہیں، یہ صوفیاء کرام کی خاص اصطلاح ہے، ان کے ہاں شریعت کی راہ پر چلنے کو سلوک کہتے ہیں، بندہ جب محبت الٰہی اور معرفت الٰہی کی رفتہ رفتہ منزلیں طے کرتا ہے تو اسے سلوک کہتے ہیں۔ از مرتب

یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے فرعون اور آلِ فرعون سب کے سب دریائے نیل میں غرق ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل ان کے غرق ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ فرعون اور اس کا لشکر غوطے کھا رہا تھا اور ان کی لاشیں پانی کے اوپر تیر رہی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منظر کو دیکھتے دیکھتے جب آگے گئے تو دیکھا کہ فرعون کے دربار کا ایک مصنوعی موسیٰ وہاں رہتا تھا جس نے اپنی شکل و صورت، اپنی شباہت اور اپنا لباس بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بنایا ہوا تھا، فرعون نے اس کو مصنوعی موسیٰ بنا کر اپنے دربار میں اپنا غصہ اتارنے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے رکھا ہوا تھا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے اُن پر تو فرعون کا بس چل نہیں سکتا تھا، لہٰذا اس نے ایک بہروپیا بنایا ہوا تھا جس نے فرعون کو خوش کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا روپ دھار رکھا تھا، اور فرعون کو جب بھی موسیٰ علیہ السلام پر غصہ آتا لعن وطعن، ملامت اور جو بُرا بھلا کہنا چاہتا تو وہ اس بہروپئے کو کہتا اور اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا، جیسا کہ آج کل جب کسی سے انتقام لینا ہوتا ہے تو اس کا پُتلا جلاتے ہیں، اسے جوتے مارتے ہیں، تو جوتے پُتلے کے مار رہے ہوتے ہیں، کپڑے پُتلے کے پھاڑ رہے ہوتے ہیں، طمانچے پُتلے کے مار رہے ہوتے ہیں اور پُتلے کو گھسیٹ رہے ہوتے ہیں، کیونکہ جس کا پُتلا ہے اس سے انتقام لے رہے ہیں،

یہ انسان کی فطرت ہے، فرعون نے بھی ایسا ہی کیا، اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور بُرا بھلا کہنے کے لئے مصنوعی موسیٰ اپنے یہاں رکھا ہوا تھا اور جو کچھ کرتا اس کے ساتھ کرتا تھا، ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی کیونکہ یہ ایک طرح سے ایسا ہی ہے جیسے اصل کے ساتھ۔

چنانچہ آج کل جو پتلے جلائے جاتے ہیں کہ اصل کے ساتھ اپنے انتقام اور اپنی ناراضگی کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے، اور اصل کو اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ فرعون اور آلِ فرعون ڈوب رہے ہیں اور یہ بہروپیا بالکل زندہ سلامت دریا کے کنارے چلا آرہا ہے، تو پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حیرانی ہوئی کہ یہ کیسے خدا کے عذاب سے بچ گیا، اس کو تو سب سے پہلے خدا کے عذاب میں مبتلا ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ یہ تو کھلم کھلا میرا مذاق کیا کرتا تھا، تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگارِ عالم! جس شخص سے مجھے سب سے زیادہ اذیت ہوتی تھی وہ تو بچ گیا، فرعون اور اس کی قوم تو غرق ہوگئی لیکن اس کے دربار کا یہ بہروپیا زندہ سلامت چلا آرہا ہے، یا اللہ! سب سے پہلے اسی پر عذاب آنا چاہئے تھا اور سب سے پہلے اسی کو آپ کے عذاب میں مبتلا، ہونا چاہئے تھا، اس میں کیا راز ہے؟ اس میں آپ کی کیا حکمت و مصلحت ہے کہ یہ بچ گیا؟ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! وہ

ہمارے محبوب کے روپ میں تھا اس لئے بچ گیا؛ "اللہ اللہ"، کہ وہ ہمارے محبوب کے روپ میں تھا اس لئے ہمارے عذاب سے بچ گیا، کیونکہ محبوب کی صورت بھی محبوب ہوتی ہے لہٰذا ہمیں اچھا نہ لگا کہ اس پر ہم اپنا عذاب نازل فرمائیں، اس حالت میں کہ وہ آپ کی شکل اور آپ کے روپ میں تھا اس لئے وہ ہمارے عذاب سے بچ گیا۔

بھائی! سنت کے مطابق اپنے ظاہر کو بنالینا بھی بڑی بات ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہمارے سر کے بال سنت کے مطابق ہوں، سر پر ٹوپی سنت کے مطابق ہو، ہماری ڈاڑھی اور مونچھیں سنت کے مطابق ہوں، یہ بہت بڑی نعمت ہے، پھر اسی طرح ہمارا کرتا بھی سنت کے مطابق ہو، ہماری شلوار بھی سنت کے مطابق ٹخنوں سے اوپر ہو، غرض ہر چیز سنت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہو، اسی طرح کھانے میں بھی سنتیں ہیں، پہننے میں بھی سنتیں ہیں، سونے کی بھی سنتیں ہیں اور میل ملاپ کی بھی سنتیں ہیں، یہ ساری سنتیں مذکورہ دونوں کتابوں سے معلوم ہوں گی، جس سے ان شاء اللہ ہمارا ظاہر بھی سنت کے مطابق ہو جائے گا اور صبح سے شام تک کے تمام کام بھی سنت کے مطابق ہو جائیں گے، اور ظاہر کا باطن پر اثر ہوگا، جب ظاہر سنت کے مطابق ہوگا تو پھر دل بھی ان شاء اللہ تعالیٰ سنت کے مطابق ڈھل جائے گا، اس کے اندر بھی پھر وہ سنتیں پیدا ہونا شروع ہو جائیں گی جن کا دل میں ہونا ضروری ہے۔

اصلاح وتربیت کا سنگِ میل

اس لئے سب سے پہلے ہم اپنے ظاہر کو سنت کے مطابق بنانے کی فکر کریں، اس کی حیثیت اصلاح وتربیت کے راستے میں سنگِ میل کی ہے، یہ بات نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر ہماری اصلاح آسان نہیں، اور سنت سے ہٹنے میں جذب نہیں ہوگا، اور جب جذب نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوگا اور جب قرب نہیں ہوگا تو رضا نہیں ہوگی،، جبکہ مقصودِ اصلی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا قرب پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اتباعِ سنت پر موقوف ہے، لہٰذا جتنا زیادہ ہمارے اندر اتباعِ سنت ہوگا اتنا ہی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اللہ کی طرف سے جذب آئیگا، اور ہماری اصلاح کا کام ان شاء اللہ بآسانی ہو جائے گا، ہمارے جتنے بھی بزرگ ہیں، اکابر ہیں وہ سب چونکہ الحمد للہ سلسلۂ امدادیہ سے اور سلسلۂ اشرفیہ سے وابستہ ہیں، اس لئے ان کے ہاں آپ کو ان کے ہر عمل میں سنت ہی سنت نظر آئیگی، ہر چیز میں آپ کو اتباعِ سنت نظر آئے گی، اس لئے یہاں زیادہ مشقتیں نہیں ہیں، زیادہ دشواریاں، مجاہدے اور ریاضتیں نہیں ہیں، صرف سنت کی تعلیم ہے، اس کی ہمیں فکر کرنی چاہیے۔

سنت کو عادت بنانے کا طریقہ

ایک چیز تو یہ عرض کرنی تھی کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلے میں بہت جلدی جذب ہوتا ہے، اور جذب ہی سے اصل کام بنتا ہے اور یہاں پر جذب اس لئے جلدی ہوتا ہے کہ الحمدللہ یہاں پر سنت کا غلبہ ہے، اس کی بہت زیادہ تاکید ہے، اس کی بہت زیادہ فکر کرنے کی ضرورت ہے ، لہٰذا صرف مذکورہ کتاب پڑھنا کافی نہیں ، بلکہ جب کوئی کام شروع کریں تو کتاب کھول کر دیکھ لیں کہ اس میں کیا سنت ہے؟ بیت الخلاء جانا چاہتے ہیں تو پہلے آپ دیکھ لیں کہ بیت الخلاء میں جانے کی کیا سنت ہے؟ نکلنے کی سنت کیا ہے؟ کھانا کھانے بیٹھ رہے ہیں تو فوراً کھانے کی سنت دیکھ لیں ، اس طریقے سے سنتیں آپ کے عمل میں آجائیں گی پھر کتاب کی بھی ضرورت باقی نہیں رہے گی ، بغیر کتاب سنتوں پر عمل کرنے کی عادت بن جائے گی ، بلکہ وہ آپ کی عادت بن جائے گی ، اور عادت بننے کے بعد اس کا جو فائدہ ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔

اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے اتباعِ سنت کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

دعا کی اہمیت

اور

اس کے آداب

اس میں قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں دعا کی اہمیت، فضیلت، دعا کے آداب اور قبولیتِ دعا کی شرطیں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعا کی اہمیت اور اس کے آداب

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم○

امابعد:-

موجودہ حالات[1] میں ہمیں چند کاموں کا بطور خاص اہتمام کرنا چاہئے جس میں ہمارا اپنا بھی بڑا فائدہ ہے اور عراق کے مسلمانوں کا بھی فائدہ ہے۔

مظلوم مسلمانوں کے لئے دعا

ان میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم عراق کے مسلمانوں کی کامیابی، ان کی فتح ونصرت، ان کی جان، مال عزت وآبرو کی حفاظت، اور ان کے ملک کی حفاظت کیلئے گڑگڑا کر دعاء کریں اور اس کو ہم اپنی اہم ذمہ داری اور ان کا حق سمجھیں۔ کیونکہ وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں اور ایک

[1] عراق کے مظلوم مسلمانوں پر جب امریکہ اپنے اتحادیوں سمیت ظلم و بربریت کی ایک اور مثال قائم کرنے کے لئے حملہ آور ہوا تو اس کے ابتدائی دنوں میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے مدرسۃ البنات کے احاطہ میں بعد نماز عصر حضرت والا کا بیان ہوا، اپنی افادیت کے پیش نظر اسے "اصلاحی بیانات جلد ۸" کی زینت بنایا جا رہا ہے، از مرتب۔

بھائی کا دوسرے بھائی پر حق ہوتا ہے کہ جب اس کو مصیبت یا پریشانی میں دیکھے تو ان کیلئے کم از کم دعا کرے اور مؤمن کی دعاء اپنے مؤمن بھائی کے حق میں اس کی عدم موجودگی میں ''ازروئے حدیث'' قبول ہوتی ہے۔

یعنی جب کوئی مسلمان بندہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں دعاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دعاء کو رد نہیں فرماتے، قبول فرما لیتے ہیں۔

جب ہم ان کیلئے دعاء کریں تو یہ دعاء کریں کہ یا اللہ ان کی مدد فرما اور ان کو فتح عطا فرما، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مقابلے میں ان کی مدد فرما اور فتح مبین عطا فرما، اور دشمن کے حملوں سے، ان کے ظلم و ستم سے، ان کی بمباری سے اُن کی، ان کے گھر والوں کی، ان کی دکانوں کی، ان کے شہروں کی اور ان کے علاقوں کی حفاظت فرما۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ حفاظت ہوگی۔ حدیث شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلا أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُنْجِيْكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَيَدُرُّلَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ، تَدْعُوْنَ اللّٰهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَإِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ

''سنو! کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جو تمہارے دشمنوں

سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے، وہ عمل یہ ہے کہ اپنے اللہ سے روز و شب، دن رات دعا کیا کرو، کیونکہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے''۔

یہ اتنا بڑا ہتھیار ہے کہ اس سے بڑا کوئی ہتھیار ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے کا نام ہے اور سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، امریکہ، برطانیہ اور اس کے دوسرے اتحادی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں، عراق اور اس کے مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہیں، اور کافروں کے پاس جو اسلحہ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، ان کے جہاز، ان کے ایٹم بم اور دوسرے بم، ان کے لیزر گائیڈ ڈ بیلسٹک میزائل، ان کی توپیں، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں سب اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے اللہ پاک چاہیں تو ایک سیکنڈ میں ان کو ملیا میٹ کر دیں اور عراق کو فتح عطا فرما دیں۔

سب کچھ اللہ کے حکم اور حکمت سے ہوتا ہے

جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکمت سے ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم و حکمت کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہلتا۔ یہ تو اتنا بڑا معرکہ ہو رہا ہے اور دنیا کی اتنی بڑی ظاہری طاقت، اپنے مقابلے میں مسلمانوں کی چھوٹی سی طاقت پر حملہ آور ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتا، سب کچھ

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہورہا ہے۔

یاد رکھئے! اس کا اُلٹ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوسکتا ہے، جب سب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرینگے تو اللہ تعالیٰ پانسہ پلٹ دینگے، اور پلٹ رہے ہیں، الحمدللہ روز بروز دشمن مایوس ہورہا ہے بوکھلا رہا ہے، اس کے پاؤں اُکھڑ رہے ہیں، عورتیں تو عورتیں کسان تک ان کے ہیلی کا پٹر گرا رہی ہیں۔

بھلا بتلاؤ یہ کیا ہے؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے، وہ اپنی قدرت دکھا رہے ہیں کہ دیکھو ہم اس طرح بھی کر سکتے ہیں، ساری دنیا میں ویسے ہی کافر بدنام ہیں، اب اور زیادہ ذلت وخواری ان کی ہوتی جارہی ہے اور ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ اور خوب ہوگی۔

بہرحال! دعا مؤمن کا زبردست ہتھیار ہے، مگر یہ جب ہے کہ ہم اس کا استعمال کرنا سیکھ جائیں، اگر ہمیں اس کا استعمال آجائے تو سمجھو کچھ آگیا اور ہمارا کام بن گیا، اس لئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کو آگے کرنے والا کام ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِىْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ

ترجمہ

"یا اللہ ہم ان کی گردنوں پر آپ کو مقرر کرتے ہیں، یعنی

ہم آپ کو دشمنوں کے آگے کرتے ہیں، اور ان کے
شر سے ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ہمیں اپنی
حفاظت میں لے لیجئے اور آپ ہی ان کو نمٹا دیجئے''۔

اور اللہ تعالیٰ کا نمٹانا کیا مشکل ہے بس وہ تو ایک دفعہ ''کُن'' کہیں گے معلوم نہیں امریکہ کہاں گیا، اس کے اتحادی کبھی تھے بھی کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاس تو ایسی طاقت ہے کہ وہ تو خالی ایک مچھر بھیج دیں گے، تو وہی ان کو نمٹا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ ہے دیکھو نا طوفان کیسا آیا کہ خیمے ہوا میں اُڑ رہے ہیں اور دشمن کی پیش قدمی رک رہی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ تو جہاں چاہیں، جس سے چاہیں دشمن کو نمٹا دیں، ان کو نہ بموں کی ضرورت ہے، نہ ہتھیاروں اور نہ فوج کی ضرورت ہے، بس ایک حکم کی ضرورت ہے، بس وہ حکم دینگے تو مٹی کے ذرات ہی ایٹم بم بن جائیں گے، اور اس سے ہی سارے کے سارے مٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ذاری ایک آندھی بھیجی ہے تو ان کی پیش قدمی رک گئی، خیمے اُڑ گئے اور وہ بوکھلا گئے۔ ایسے ہی راتوں رات اللہ تعالیٰ کوئی طوفانی بارش بھیج دیں، سویرے معلوم ہوا کہ سب نیست و نابود ہو گئے، یہ اللہ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔

---

[1] ان دنوں اطلاع آئی تھی کہ عراق میں زبردست طوفانی ہوا نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی پیش قدمی روک دی ہے۔ از مرتب۔

دعا بہر صورت نافع اور مفید ہے

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، مگر مانگنا شرط ہے، مانگنے والا ہونا چاہئے، اس ہتھیار کو استعمال کرنے والا ہونا چاہئے اور یہ ہتھیار ہم استعمال کر سکتے ہیں، اور یہ ایسا ہتھیار ہے جو مصیبت نازل ہونے سے پہلے بھی نافع اور مفید ہے اور مصیبت آجانے کے بعد بھی مفید اور کارآمد ہے، اور مصیبت ٹلنے کے بعد بھی نافع اور مفید ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ.

ترجمہ

''دعا ان حوادث ومصائب میں بھی کارآمد اور نفع مند ہوتی ہے جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، لہٰذا اے اللہ کے بندوں دعا کا اہتمام کیا کرو''۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ:۱۹۵)

دُعا ایسی کارآمد چیز اور ایسا بہترین ہتھیار ہے جو ہر حال میں کارآمد اور نافع ہے، جب تک مصیبت نہ آئے تب بھی مانگتے رہو حکمت ہوگی تو آنے والی بلاٹل جائیگی، اور اگر اس کے ٹلنے کی حکمت نہ ہوگی تو کوئی اور بلاٹل

جائے گی، اور کچھ نہیں تو اللہ تعالیٰ اس دُعاء ہی کو آخرت میں ذخیرہ فرمادیں گے۔

عام طور پر تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ جو اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اگر دُعا میں قبولیت کی شرائط پائی جاتی ہوں تو اللہ تعالیٰ اسی کو قبول فرمالیتے ہیں، اکثر تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرماتے ہیں لیکن ظاہری طور پر ہم جو کچھ مانگ رہے ہیں وہ ملے یا نہ ملے ہر حال میں دُعا فائدے سے خالی نہیں ہے۔

دعا کے فوائد

سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جُڑ جاتا ہے اور وہ لمحہ سب سے بڑا قیمتی ہے جب بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوگیا، جب بندہ اپنے رب سے عرض ومناجات کررہا ہو، اس کے سامنے عاجزی کررہا ہو، گڑگڑارہا ہو، بھیک مانگ رہا ہو اور دعا مانگ رہا ہو، بس وہ بندے کا سنہری وقت ہوتا ہے اور کچھ نہ بھی ملے تو یہ توفیقِ دعا بذاتِ خود بہت بڑی دولت ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہیں، یہ متوجہ ہوجانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوجانا ہی بہت بڑی دولت اور بہت بڑی نعمت ہے آگے جو کچھ بھی ہے سب نفع ہی نفع ہے اور جتنی مرتبہ دعا کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے رابطہ قوی ہوگا۔

یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی گنوار بادشاہ سے ملنے لگے یعنی اگر کسی گنوار کی بادشاہ (جس سے بڑے بڑے لوگ ملنے کی تمنا اور آرزو کرتے ہیں) سے ملاقات ہوجائے اور اس گنوار کو جناب بادشاہ نے بُلالیا اور ملاقات کر لی ہو تو اس کے وارے نیارے ہوجائیں، اس کا وہ دن کس طرح عید سے کم نہ ہو، اور اگر اس کو دو چار دفعہ ایسے ہی ملاقات کا موقع مل جائے تو کہیں گے یہ تو وزیراعظم سے کم نہیں ہے۔ یہ تو اتنی مرتبہ مل چکا ہے ہم نے تو آج تک بادشاہ کی شکل تک نہیں دیکھی یہ گنوار تو روز ملتا ہے، وہ تو وزیراعظم سے کم نہ ہوا۔

اگر دنیا کے گنوار کی بادشاہ سے ملاقات ہوجائے تو اس کی یہ عزت افزائی، ارے! احکم الحاکمین سے اگر ہم جیسے گنواروں اور نالائقوں کی ملاقات بصورتِ دعا ہوجائے تو کیا یہ کم دولت ہے؟ بابا بہت بڑی دولت ہے، بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے بس دُعا ہی کی توفیق ہوجائے تو سمجھو بہت بڑی نعمت ہاتھ آگئی، اس لئے مصیبت آنے سے پہلے بھی دعا مانگنا مفید ہی مفید ہے، نافع ہی نافع ہے اور مصیبت آگئی تب بھی مفید ہے۔ وہ یوں مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق تو ہو رہا ہے، یوں یہ مصیبت بھی نعمت ہوگئی جو اللہ تعالیٰ سے دعا کا ذریعہ بن گئی۔

جس طرح کوئی نعمت اللہ تعالیٰ کے شکر کا ذریعہ بن جائے اور بندہ

اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر شکر میں مشغول ہو جائے تو وہ نعمت بھی بڑا نعمت ہے۔اسی طرح کوئی بیماری، کوئی پریشانی، کوئی مصیبت یا کوئی آفت اگر مسلمانوں پر آجائے اور مؤمن بندہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کی بارگاہ میں عرض ومعروض شروع کردے بس سمجھو سب سے بڑا نفع اس کو حاصل ہوگیا اب وہ مصیبت بھی مصیبت نہ رہی بلکہ قرب الٰہی کا ذریعہ بن گئی، تعلق مع اللہ کا سبب بن گئی، لہٰذا جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کے تعلق کا سبب بن جائے وہ نعمت ہے چاہے صورت میں وہ زحمت اور مصیبت ہی کیوں نہ نظر آئے۔جیسے مصیبت آنے کے بعد دعا کرنا مفید ہے کیونکہ اس کو دور کرنے والے اللہ پاک ہی ہیں اسی طرح آنے سے پہلے بچانے والے بھی اللہ پاک ہیں اور مصیبت کے دور ہونے کے بعد ان سے عافیت دینے والے اور آئندہ بچانے والے بھی اللہ پاک ہیں۔

عزیزو! اسی لئے ہر حال میں دعا کا اہتمام کیا کرو، تو یہ اتنی بڑی دولت اور نعمت ہے کہ ہر حال میں مفید ہے اور مؤمن کا زبردست ہتھیار ہے اس لئے اس کام کو بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ کرنا چاہئے۔ جتنا ہم گڑگڑا کر دعا کریں گے اتنا ہی زیادہ فائدہ ان شاء اللہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

لہٰذا دو تین باتیں جو دعا کے آداب میں سے ہیں ان کا ہم خیال کریں۔

ا۔حرام غذا سے بچیں

ایک یہ ہے کہ کھانے پینے کے اندر مالِ حلال اور اکلِ حلال کا خیال رکھیں کیونکہ حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، یعنی تین آدمی ایسے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا رد نہیں فرماتے، اگرچہ بعض دوسری روایات میں ان تین کے علاوہ بھی دعا کرنے والوں کا تذکرہ ہے، جن کی دعا رد نہیں ہوتی، لیکن ایک حدیث میں تین کا ذکر آیا ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلٰثُ دعواتٍ مُستجاباتٍ لاشکَّ فیھنَّ دَعْوَۃُ الوالِدِ، ودَعْوۃُ المُسافِرِ، ودَعْوۃُ المظلُومِ.

(رواہ الترمذی، مشکوۃ ۱۹۵)

ترجمہ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

(۱) باپ کی دعا (اپنی اولاد کے حق میں)

(۲) مسافر کی دعا

(۳) مظلوم کی دعا"۔

یعنی ایک تو اللہ پاک باپ کی دعا اولاد کے حق میں رد نہیں فرماتے، باپ اگر اپنی اولاد کے حق میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ دوسرے مسافر کی دعا اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے، تیسرے مظلوم کی دعا اللہ پاک رد نہیں فرماتے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے غائبانہ طور پر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے ہیں، قبول فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ایک دوسری حدیث بھی سنئے اور اس کی روشنی میں اندازہ لگائیے کہ قبولیتِ دعا کے لئے "رزقِ حلال اور اکلِ حلال" کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ:

"یٰاَیُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ: "يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ" وَقَالَ: "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ" ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ

يُطِيْلُ السَّفر أشعث أغبر يمدُّ يديه إلى السَّماء يَارب يَارب ومطعمه حرامٌ ومشربه حرامٌ وملبسه حرامٌ وغذي بالحرام فأنّى يستجاب لذالك".

ترجمہ

"لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک (صدقہ) کو ہی قبول کرتا ہے، اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے سب پیغمبروں کو دیا ہے، وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے۔

"اے پیغمبرو! تم حلال اور پاک غذا کھاؤ اور نیک اعمال کرو، میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں"۔ (المومنون ۵۱)

اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا:

"اے ایمان والو! تم ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے حلال اور پاک غذا کھاؤ (اور حرام سے بچو)"

(البقرۃ ۱۷۲)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کا

ذکر فرمایا جو طویل سفر کرکے (کسی مقدس مقام پر) اس حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ، جسم اور کپڑے غبار آلود ہو جاتے ہیں اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے: ''اے میرے رب! اے میرے رب!'' اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے، اور حرام غذا سے اس کی نشوونما ہوئی ہے، تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی''۔ (صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ)

معلوم ہوا کہ حرام کھانے پینے کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوسکتی لہٰذا کھانا پینا حلال کا رکھیں، جس قدر کھانے پینے میں مالِ حلال استعمال ہوگا اتنا ہی اس کا دل منور ہوگا، اس کے اندر عبادت کا ذوق وشوق پیدا ہوگا، ایسے ہی اس کو زیادہ سے زیادہ نیک کاموں کی توفیق ہوگی اور دعا بھی اس کی قبول ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۔ دعا توجہ سے کریں

دوسرا ادب یہ ہے کہ مانگنے والا دعا کے اندر توجہ، دھیان رکھے، یعنی جب دعا کرے تو پوری توجہ کے ساتھ کرے، ایسا نہ ہو جیسے آدمی نماز پڑھتا

رہتا ہے دھیان کہیں اور ہوتا ہے یا تسبیح پڑھتا رہتا ہے دھیان کہیں اور ہوتا ہے، دعا میں ایسا کریگا تو دعا قبول نہیں ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اُدْعُوْا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبِ غَافِلٍ لَاهٍ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ

''جب اللہ سے مانگو اور دعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا، اور عطا فرمائے گا اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو''۔

اس لئے دعا کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ جتنی بھی دعا کرے پوری توجہ کے ساتھ کرے، اور توجہ یہ رکھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں، اللہ تعالیٰ سے میں فلاں چیز مانگ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے میں درخواست کرر ہا ہوں۔ اتنا تو کم سے کم آدمی کو پتہ ہو، اب اگر یہی نہیں پتہ کہ میں کیا مانگ رہا ہوں، کیا نہیں مانگ رہا ہوں، کس سے مانگ رہا ہوں، کس کے سامنے ہوں، کہاں ہوں، کچھ پتہ ہی نہیں ہے بس طوطے کی طرح رٹی رٹائی

دعا پڑھ رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت دعا کا وعدہ نہیں ہے، یاد رکھئے! دعا محض پڑھنے سے قبول نہیں ہوتی، دعا مانگنے سے قبول ہوتی ہے اور مانگنا یہی ہے کہ پورا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، بندے کو یہ معلوم ہو میں کیا مانگ رہا ہوں، کس سے مانگ رہا ہوں، دل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور دھیان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور جو مانگ رہا ہو وہ بھی معلوم ہو۔

۳۔ رو کر یا رونی شکل بنا کر دعا کیجئے

تیسرا ادب یہ ہے کہ دعا رو کر، گڑگڑا کر مانگے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۔ (الاعراف ۵۵)

ترجمہ

"تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو تذلل (ذلت و مسکنت) ظاہر کر کے اور چپکے چپکے۔

دعا اس طرح گڑگڑا کر مانگے اور مانگنے کے اندر بھی یہ ہے کہ اگر سچ مچ رونا آجائے تو اچھا ہے لیکن چونکہ سچ مچ رونا ہر آدمی کے اختیار میں نہیں ہے لہٰذا کم از کم رونے والوں کی سی شکل ہی بنا لے اور جہاں بندہ رونے

والوں کی شکل بنا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے ساتھ سچ مچ رونے والوں کا سا معاملہ فرما دیتے ہیں یعنی جیسے رونے والے کی دعاء رد نہیں فرماتے رونے کی شکل بنا کر مانگنے والے کی دعاء بھی رد نہیں فرماتے۔

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہے:

اِبْكُوْا فَاِنْ لَمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكُوْا۔

(ابن ماجة : ۴۰۹۶، باب الحزن والبکاء)

ترجمہ

''رو رو کر دعا مانگا کرو، اگر تمہیں رونا نہ آئے تو کم از کم رونے کی شکل ہی بنا لیا کرو۔''

اس حدیث شریف کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ رونا نہ آنے کی صورت میں قبر و آخرت کا تصور کر کے رونے کی کوشش کرو، بہر حال! رونا دعا کا ایک ادب بھی ہے اور قبولیتِ دعا کی ایک علامت بھی ہے، اس لئے رقتِ قلبی (نرم دلی) کی وجہ سے از خود رونا آ جائے تو بہت ہی اچھی بات ہے، ورنہ قبر کی اندھیر کوٹھڑی اور آخرت کی سختی کو سوچ کر رونے کی کوشش کی جائے، اس پر بھی اگر رونا نہ آئے تو آخری درجہ میں کم از کم رونے کی شکل ہی بنا لینی چاہئے۔ اللہ جل شانہ کی ذات سے پختہ امید ہے کہ ان شاء اللہ اللہ پاک رونے کی شکل پر وہی معاملہ فرمائیں گے جو حقیقی، اصل اور سچ مچ رونے

پر فرماتے ہیں۔

ایک بزرگ کا عجیب قصہ

دعا کے سلسلے میں رونے پر ایک قصہ یاد آ گیا ایک بزرگ کا عجیب وغریب معمول تھا، بزرگوں کے عجیب وغریب مزاج ہوتے ہیں، ہیں سارے بزرگ لیکن مزاج الگ الگ ہیں جیسے پھول تو سارے ہیں باغ کے اندر مگر خوشبو اور رنگ الگ الگ، لیکن یہ نہیں کہ گلاب کا پھول لال رنگ کا پھول نہیں ہے پیلے رنگ کا پھول ہے اور چنبیلی کا پھول پھول نہیں ہے موتیا کا پھول پھول ہے۔نہیں سب پھول ہیں اور سب اچھے ہیں مگر خوشبو الگ الگ ہے اور رنگ الگ الگ ہے۔اسی طرح سارے اللہ والے ہیں مزاج الگ الگ ہے اور مذاق الگ الگ ہے۔

جس بزرگ کا میں قصہ سنا رہا ہوں ان کا عجیب مزاج تھا کہ ہمیشہ قرض لے لے کر کام کرتے تھے، جو بھی آ رہا ہے یا جا رہا ہے، جس کی بھی خدمت کر رہے ہیں، کھلا رہے ہیں پلا رہے ہیں قرض لے لیکر کر رہے ہیں، اور لوگ بھی ان کو قرض دے دیتے تھے۔اب ان پر ہر وقت قرضہ چڑھا رہتا تھا، جو کبھی اتر جاتا تو اسی عادت کی وجہ سے دوبارہ چڑھ جاتا غرض، اترتا چڑھتا رہتا تھا، اور چونکہ رقم آتے ہی وہ قرضہ اتار بھی دیتے تھے اس لئے

لوگ بے فکر ہو کر قرض دے دیا کرتے تھے۔ اس طرح بزرگ کام چلاتے رہے، ساری عمر اسی طرح گزر گئی کہ کسی کی مدد کر رہے ہیں تو قرض لیکر کر رہے ہیں، کسی کو کھانا کھلا رہے ہیں تو قرض سے کھلا رہے ہیں، کسی کو صدقہ دے رہے ہیں تو قرض سے دے رہے ہیں بس قرض لیتے رہے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے۔

اب یہ قصہ سنکر کوئی اور اسی پر عمل نہ کرنے لگے یاد رکھو ایسا کرنا ہر ایک کیلئے مناسب نہیں ہے اگر کسی نے قرض لے لیا اور نہ اترا تو پھر مصیبت آجائے گی۔ اس لئے دوسروں کو شدید ضرورت کے بغیر قرض لینے سے بچنا چاہئے، بہرحال ان بزرگ کا یہ معاملہ تھا کہ زندگی بھر قرض لے لے کر کام چلایا، یہاں تک کہ انتقال کا وقت قریب آ گیا تو جس جس نے قرض دیا ہوا تھا سب گھر آ گئے، سب دکان چھوڑ چھوڑ کر، گھر چھوڑ چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں آ بیٹھے اور سب دیکھ رہے ہیں کہ اب تو حضرت کا آخری وقت آ گیا، میرے اتنے پیسے ہیں، اور میرے اتنے پیسے ہیں۔ حضرت کے گھر میں جھاڑو پھری ہوئی ہے، یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، اب کیا ہوگا؟ پیچھے تو کچھ نہیں ہے ملے گا کیا؟ اب جناب وہ سامنے بیٹھے حضرت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کا کلیجہ منہ کو آ رہا ہے، جب ذرا حضرت آنکھ کھول کر دیکھ لیں تو قرض خواہوں کی جان میں جان آجائے اور جب آنکھ دیر تک نہ کھولیں تو دل ہی دل میں کہیں کہ

''حضرت گئے تو پیسے بھی گئے''۔

اب جناب کوئی آیۃ الکرسی پڑھ رہا ہے کوئی سورۂ یٰس پڑھ رہا ہے کوئی کچھ اور پڑھ رہا ہے تا کہ پیسے کسی طرح مل جائیں، حضرت بھی دیکھ رہے ہیں کہ یہ جتنے آئے ہوئے ہیں سارے بے چارے پریشان ہیں اور خود ان کو تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا، وہ بے فکر اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، اللہ کی یاد میں مشغول ہیں مگر ان بے چاروں کا حال بہت بُرا تھا، حالت بڑی خراب تھی کہ بھئی اب تو ہمارے پیسے گئے، اب کیسے ملیں گے؟

تھوڑی دیر گذری کہ گلی میں سے ایک بچہ حلوہ بیچتا ہوا گذرا، اور آواز لگا رہا تھا کہ ''حلوہ لے لو، حلوہ لے لو، ایک آنے کا حلوہ، ایک آنے کا حلوہ''۔

حضرت نے فرمایا بھئی بچے کو بُلاؤ، ایک آدمی گیا بلا کر لایا۔ حضرت نے پوچھا بھئی کیا بیچ رہا ہے، کہا حلوہ بیچ رہا ہوں، فرمایا: ''پورے حلوے کا کونڈہ کتنے کا ہے؟'' کہا دس روپے کا۔ کہا لاؤ مجھے دیدو۔ اس سے بھی انہوں نے حلوہ ادھار لے لیا اور کہا: ''چلو بھئی منہ میٹھا کرلو''۔ سب کا منہ میٹھا کروا دیا، سب حلوہ کھا کر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد بچے نے کہا: حضرت! ''جی میرے پیسے'' کہنے لگے ''بھئی یہ بھی پیسے لینے آئے ہیں تو بھی انہیں کے ساتھ بیٹھ جا''۔ اب جب

لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ ارے حضرت نے اس سے بھی حلوہ ادھار خرید ا ہے تو بڑے پشیمان ہوئے کہ یار ہم تو مصیبت میں تھے، یہ بچہ بھی مصیبت میں آ گیا، حضرت کو چاہئے تھا کہ اس بچے کو تو کم از کم پیسے دیدیتے۔

بچہ تو چھوٹے دل کا ہوتا ہے، اب وہ پیسے نہ ملنے پر بڑا پریشان ہوا، اس نے پھر کہا: ''حضرت مجھے جلدی سے پیسے دیدو میں جاؤں اپنے گھر، میری ماں میرا انتظار کررہی ہوگی''، کہا: ''بیٹے بیٹھ جا یہ سب پیسے لینے کیلئے بیٹھے ہیں، تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا، جب تجھے ملیں گے تو ان کو بھی مل جائیں گے''، اس نے دس پندرہ منٹ اور انتظار کیا جب اس نے دیکھا کہ حلوہ تو کھا گئے پیسے دئے نہیں تو وہ بے چارہ رونے لگا: ''ہائے میری ماں مجھے مارے گی، میرے پیسے کہاں گئے، حلوہ کھالیا پیسے نہیں دے رہے حضرت میرے پیسے دیدو میں تو اپنے گھر جاؤں'' اور وہ خوب رونے لگا۔

اب جب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تو سب کا دل بڑا پسیجا کہ ارے بھئی! اس کے ساتھ تو بڑی زیادتی ہوگئی اس بے چارے مسکین کے تو کم از کم حضرت نقد ہی پیسے دیدیتے، حلوہ ادھار نہ خریدتے ہم تو جیسے تیسے برداشت کررہے ہیں لیکن اس بچے کا کیا ہوگا اس کا رونا ان سے نہ دیکھا گیا مگر سب چپ، کچھ کہہ بھی نہیں سکتے وہ بچہ روتا رہا تھوڑی دیر میں کسی نے دروازے پر دستک دی، حضرت نے خادم سے کہا جاؤ دیکھو دروازے پر کون

آیا ہے، خادم گیا تو دیکھا ایک نواب صاحب نے اپنا نوکر بھیجا ہے اس کے سر پر ایک طباق ہے جو ہرے رومال سے ڈھکا ہوا ہے، اس نوکر نے کہا کہ فلاں نواب نے سلام کہا ہے اور عرض کیا کہ حضرت یہ حقیر سا ہدیہ ہے للہ قبول فرمالیجئے، آپ قبول کرلیں آپ کا احسان ہوگا، خادم نے آکر بتایا کہ کسی فلاں نواب کا خادم ہدیہ لیکر آیا ہے، فرمایا: ''قبول ہے لے آؤ''، خادم جاکر لے آیا، جب رومال ہٹا کر دیکھا تو طباق اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا، فرمایا: ''سب سے پہلے دس روپے اس بچے کو دیدو تاکہ یہ گھر جائے''، چنانچہ دس روپے اس کو دیئے اور بچہ خوشی خوشی اپنے گھر چل دیا۔

پھر فرمایا بھئی پوچھتے جاؤ کس کا کتنا قرضہ ہے اور دیتے جاؤ، اب وہ خادم پوچھتا گیا بھئی تمہارے کتنے ہیں ارے میرے اتنے ہیں، لو بھئی لے لو، اور جب دینے شروع کردیئے تو سب کے پیسے پورے ہوگئے، آخری قرض خواہ کے قرض ختم ہونے پر طباق بھی ختم ہوگیا، یعنی اس طرح اللہ پاک نے پورے پیسے بھیجے کہ وہ جتنے بھی قرض خواہ تھے سب کا قرضہ پورا پورا اور پائی پائی ادا ہوگیا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ بھئی تم مجھے کوس تو بہت رہے تھے جب بچہ رو رہا تھا کہ حضرت نے اس کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے، اس بے چارے کا بھی آخری وقت حلوہ ادھار لے لیا، پیسے نقد نہ دیئے مگر بات دراصل یہ ہے

کہ بھئی مجھ سے تمہاری حالت نہیں دیکھی جارہی تھی، میرا تو زندگی بھر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ رہا ہے ہمیشہ مجھ پر انہوں نے کرم ہی کیا ہے کبھی انہوں نے میرا قرض رکھا نہیں، جتنا بھی میں نے لیا، جب بھی لیا ہمیشہ انہوں نے میرا قرض ادا فرمادیا۔ مجھے تو اطمینان تھا کہ جنہوں نے ساری عمر میرا قرضہ ادا فرمایا ہے تو کیا اب آخری عمر میں میرا قرضہ ادا نہ فرمائیں گے؟ مجھے تو اطمینان تھا کہ ان شاء اللہ اس وقت تک نہ مروں گا جب تک تمہارے قرضے نہیں اتر جاتے، مگر تمہارے کلیجے جو منہ کو آرہے تھے، تمہاری جو پھٹی پھٹی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں اس سے مجھے بڑی تکلیف ہورہی تھی، میں نے سوچا کہ بھئی ان کو ملے گا تو سہی مگر جلدی ملنے کی کوئی ترکیب ہونی چاہئے، جو جلدی سے پیسہ آئے اور جلدی سے ان کا قرضہ اترے تو جب مجھے بچے کی آواز ئی تو میں نے سوچا کہ بچے کو بلاؤ۔ اس سے سودا کرو اور بچے کا دل نرم اور چھوٹا ہوتا ہے، جب اس کو پیسے نہیں ملیں گے تو وہ جلدی روئے گا اور جتنی جلدی کوئی روئے گا اتنی جلدی اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوجائے گی اور برس جائے گی مگر تم تو رونے والے تھے نہیں لیکن وہ بچہ رونے والا تھا، اس لئے میں نے اس کا حلوہ تمہیں کھلایا، تو تم نے دیکھا تھوڑی دیر میں بچہ رو پڑا، اب جو بچہ رویا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی دریائے رحمت کو جوش آیا تو اللہ تعالیٰ نے جلدی سے ہدیہ بھیج دیا۔ بچے کے طفیل تمہارا

کام بھی بن گیا، اس کا قرض بھی اُترا اور میرا کام بھی ہوگیا کہ میرا ذمہ اللہ تعالیٰ نے فارغ فرمادیا۔

تو یہ دیکھو بھئی دعا میں جو سچ مچ روئے تو پھر کہنا ہی کیا ہے لیکن یہ ہر آدمی کے اختیار میں نہیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا اگر رونا نہ آئے تو رونے کی سی شکل بنالو۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ رونے کی سی شکل پر بھی ویسی ہی رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں، جیسے سچ مچ رونے پر فرماتے ہیں۔

تو بھئی اگر مسلمانوں کی فتح ونصرت کے لئے، کامیابی کے لئے اور دیگر مقاصد کے لئے توجہ کے ساتھ ساتھ رونے کی سی شکل بھی بنالیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اور جب بھی آپ دعا مانگیں خاص طور پر خلوت وتنہائی میں تو رونے کی شکل بنانے کی عادت ڈالیں۔ اور جب رونے کی سی شکل کے ساتھ پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ دعا ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ دعا رد نہیں ہوگی۔

اور دعا کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ ہمیں اپنی دعا کی قبولیت کا یقین کامل ہونا چاہئے، جتنا آپ کو اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہوگا کہ جو کچھ میں مانگ رہا ہوں اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرمائیں گے، چاہے قبول ہونا معلوم ہو یا نہ ہو یہ ہمارا کام نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو جتنے

یقین کے ساتھ دعا ہوگی اتنی ہی انشاء اللہ تعالیٰ وہ مقبول بھی ہوگی۔

اس طرح سے دعا کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے چاہے ہم عراق کے مسلمانوں کے لئے دعا کریں چاہے افغانستان کے مجاہدین اور طالبان کے لئے یا دیگر مسلمانوں کے لئے، اور چاہے اپنے دیگر جائز مقاصد کے لئے دعا کریں تو وہ دعا انشاء اللہ تعالیٰ قبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کی دولت بھی نصیب ہوگی۔

دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے

یاد رکھئے! دعا بذاتِ خود اعلیٰ درجہ کی ایک عبادت ہے، جب کبھی کسی بھی پریشانی کی وجہ سے، کسی بھی تکلیف کی وجہ سے، کسی بھی حاجت کی وجہ سے، کسی بھی ضرورت کی وجہ سے اگر یہ دولت نصیب ہو تو زہے مقدر۔ اور پھر حدیث شریف میں ہے:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ.

دعا عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ۱۹۴)

یعنی دعا کرنا خود ایک اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، اگر اعلیٰ درجے کی عبادت نصیب ہو جائے خواہ کسی پریشانی کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو بہر حال یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر ایک کام ہم لوگ یہ کریں کہ

فوراً دعا میں لگ جائیں اور جہاں قنوت نازلہ پڑھی جارہی ہو اس میں دل سے آمین کہیں اور آہستہ کہیں زور سے نہ کہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ دعا زیادہ پسند ہے جو چپکے چپکے ہو، بلند آواز سے کی جانے والی دعا بھی اگرچہ جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو جو دعا زیادہ پسند ہے وہ وہ دعا ہے جو چپکے چپکے ہو، اس لئے کہ چلا کر کہنے کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے، وہ تو علیم بذات الصدور ہیں، سمیع وعلیم ہیں، یعنی دل کے اندر جو آدمی سوچتا ہے اس کی بھی اللہ تعالیٰ کو خبر ہوتی ہے، جبکہ فرشتوں کو بھی اس کا پتہ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ دل میں کیا چاہ رہا ہے، اور ہم سے کیا کہہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سینے کے اندر کی بات کو بھی جانتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ایک بدو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَقَرِيْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِيْهِ أَمْ بَعِيْدٌ فَنُنَادِيْهِ؟

ترجمہ

''اے اللہ کے رسول! (ہمارا رب کہاں ہے؟) ہمارا رب کیا ہمارے نزدیک ہے کہ ہم اس سے آہستہ آہستہ چپکے چپکے دعا مانگا کریں یا ہم سے دور ہے کہ ہم صدا لگا کر باواز بلند اس کو پکاریں''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب ارشاد فرمانے سے پہلے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب لے کر آ گئے، اور یہ آیات پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائیں:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ، أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ. (البقرة:۱۸۶)

ترجمہ

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ سے میرے بندے میرے (دور اور نزدیک ہونے کے) متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے ان سے فرما دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں، منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرض درخواست کرنے والے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے، سو ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں، اور مجھ پر یقین رکھیں، امید ہے کہ وہ لوگ رُشد و فلاح حاصل کر سکیں گے''۔ (تفسیر ابن کثیر)

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے بالکل قریب ہوتے ہیں، لہٰذا آہستہ دعا کرنا افضل ہے، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں یہ حکم صاف

معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. (الاعراف.۵۵)

ترجمہ

''تم لوگ (ہر حالت اور ہر حاجت میں) اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو، تذلّل (اپنی ذلت و مسکنت) ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتے جو (ادب کی) حد سے نکل جائیں''۔

بہر حال! اللہ پاک اپنے بندے کے نزدیک بھی ہیں اور اس کی ہر نقل و حرکت کو جانتے بھی ہیں اور اس کی ہر چھوٹی بڑی نہاں عیاں بات کو خوب سنتے بھی ہیں، جب وہ خوب سنتے ہیں تو ان کو سنانے کے لئے زور، زور سے کہنے کی کیا ضرورت ہے، لہٰذا چپکے چپکے کہو، اس لئے قنوتِ نازلہ میں آمین آہستہ کہنی چاہئے، مگر دل سے کہنی چاہئے یہ نہیں کہ نیند میں کھڑے ہیں، جھٹکے لے رہے ہیں اور آمین بھی کہہ رہے ہیں، یہ سونے کی دعا تھوڑی ہے، ہوش و حواس کے ساتھ کھڑے ہوں اور سمجھیں کہ بھئی اب یہ بڑا اہم موقع آگیا ہے اور حضور ﷺ کی سنت کے مطابق قنوت نازلہ پڑھی جارہی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قنوت نازلہ پڑھتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

آپ ﷺ کے پیچھے آمین کہتے تھے، یہ میری زندگی کا کتنا سنہری موقع ہے کہ آج میں حضور کی سنت پر عمل کر رہا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں۔

ایک تو یہ دعا بڑی سعادت اور بہت بڑی نعمت ہے، پھر اس کے اندر جب دل لگا ہوا ہوگا تو بھئی ایک کی نہیں سینکڑوں کی آمین ہوگی، سینکڑوں کی دعا ہوگی، ایک امام کی دعا اور سینکڑوں مقتدیوں کی دعا ہوگی، جب یہ آسمان پر جائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ عرش سے ٹکرائے گی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو کر سامنے آئیگی اور آرہی ہے الحمدللہ۔

دعا کے لئے مکان وطہارت شرط نہیں

ویسے بھی فرض نمازوں کے بعد، تہجد کے وقت، چلتے پھرتے، آتے جاتے اور لیٹے بیٹھے جب ان کا خیال آجائے دعا کرنا شروع کر دیں۔ دعا اللہ پاک نے ایسی آسان بنائی ہے کہ نہ اس کیلئے وضو کرنا شرط ہے، نہ قبلہ رخ ہونا شرط ہے، نہ نماز پڑھنا شرط ہے، نہ قیام شرط ہے، کوئی بھی شرط نہیں ہے، جس حالت میں ہو، جہاں بھی ہو جدھر بھی ہو بس دعا میں لگ جائیں اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہو جائے گا۔ اللہ پاک نے اپنی ذات سے رابطہ کتنا آسان بنایا ہے کہ ایک سیکنڈ میں بندے کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہو جاتا ہے بس چلتے چلتے خیال

آ گیا:" ہائے یا اللہ عراق کے مسلمانوں کی مدد فرما، یا اللہ! ان کی حفاظت فرما اور ان کو فتح مبین عطا فرما، ان کے مقابلے میں کافروں کو تہس نہس فرما، تباہ و برباد فرما"، بس اب چلتے چلتے دعا ہوگئی اور یہ آپ کا ایٹم بم وہاں گر گیا۔ یہ دعا بم بن کر وہاں ان شاء اللہ دشمنوں پر ظاہر ہوگی، اب اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس شکل میں چاہیں اس کو ظاہر فرمادیں لیکن آپ نے اپنا ہتھیار استعمال کرلیا کیونکہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔ آپ نے تو اپنا ہتھیار چلادیا، اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا، اللہ تعالیٰ جب مناسب سمجھیں گے ذرا سی دیر میں ان کو پلٹ دیں گے۔ اس لئے ہمیں اس کام کو بطور خاص کرنے کی ضرورت ہے۔

اپنی بداعمالیوں سے توبہ کریں

دوسرا کام یہ ہے کہ ہم ان کے اور اپنے گناہوں کی گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اس لئے کہ کوئی دشمن کبھی بھی حملہ نہیں کرتا مگر جب لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں، اس میں اور بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں، مصلحتیں ہوتی ہیں، لیکن عام طور پر جب دشمن کسی پر حملہ آور ہوتا ہے تو جس قوم پر حملہ آور ہوتا ہے عموماً اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس وقت پورا عالم اسلام بڑی مصیبت سے دوچار ہے اور پورے عالم کے اندر مسلمانوں کی حالت بڑی ابتر اور انتہائی افسوسناک ہے۔

مسلمان اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے انتہائی ذلت ورسوائی کا شکار ہیں۔

یہ پورے عالم کے مسلمانوں کی مجموعی حالت ہے جس میں ہم بھی داخل اور شامل ہیں ہمارے حالات بھی تو ایسے ہی ہیں، جب انفرادی طور پر ہمارے یہی حالات ہیں تو پھر مجموعی حالات بھی خراب ہی ہیں لہٰذا اپنے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے اور دیگر تمام مسلمانوں کیلئے بھی استغفار کی ضرورت ہے، عراق کے مسلمانوں کیلئے بھی توبہ واستغفار کی ضرورت ہے اور جتنی کثرت سے توبہ واستغفار ہوگی اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت اور رحمت نازل ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب ووبال سے بچنے کے لئے تاقیامت جو امان ہے وہ استغفار ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (الانفال:۳۳)

ترجمہ

''اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار کرتے ہیں''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کسی قوم پر دوصورتوں میں کبھی

عذاب الٰہی نازل نہیں ہوگا، ایک جب کہ نبی کی ذات ان میں موجود ہو، دوسرے جب وہ استغفار کرتے ہوں، اب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہم سے رخصت ہو چکی ہے، لیکن عذاب الٰہی سے بچنے کا دوسرا قوی اور مضبوط ذریعہ استغفار کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے، اور تا قیامت ان شاء اللہ یہ ذریعہ اس امت کے پاس رہے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ أَمَانَيْنِ لِأُمَّتِيْ : "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ " فَإِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيهِمُ الْإِسْتِغْفَارَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ پر میری امت کے لئے (اس آیت میں عذاب سے بچنے کے لئے) دو امان نازل فرمائی ہیں: "اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں" (الأنفال: ۳۳) جب میں دنیا سے

رخصت ہو جاؤں گا تو اپنے پیچھے ان کے پاس تا قیامت "استغفار" چھوڑ جاؤں گا"۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/۳۰۳)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

كَانَ فِيهِمْ أمانان، النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَالْإِسْتِغْفَارُ ، فَذَهَبَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَبَقِيَ الْاسْتِغْفَارُ.

ترجمہ

"اس امت کے لئے (عذابِ الٰہی سے بچنے کے لئے) دو امان ہیں

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور

(۲) استغفار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے گئے، "استغفار" والی امان امت کے پاس باقی ہے"۔

(تفسیر ابن کثیر ۲/۳۰۳)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے شیطان کو مردود کر کے جنت سے نکالا تو اس نے کہا:

وَعِزَّتِکَ لَا أَبْرَحُ أُغْوِیْ عِبَادَکَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِیْ أَجْسَادِهِمْ.

ترجمہ

"آپ کی عزت کی قسم! جب تک ان کی جان میں جان ہے میں تیرے بندوں کو بہکاتا اور گمراہ کرتا ہی رہوں گا"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ.

ترجمہ

"مجھے میری عزت و جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے، مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے، میں بھی ان کو معاف کرتا ہی رہوں گا"۔

(مستدرک حاکم بحوالہ ابن کثیر: ۲۰۳/۲)

مسند احمد میں اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا پیارا ارشاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْعَبْدُ آمِنٌ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مَا اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ

ترجمہ

"بندہ جب تک اللہ پاک سے استغفار کرتا رہتا ہے، اللہ

کے عذاب سے بچا رہتا ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۰۳)

بہر حال! استغفار اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں ایسی امان ملی ہوئی ہے کہ اگر ہم اس کا دل و جان سے اہتمام کرلیں تو عذاب ٹل جائے، دشمن مغلوب ہوجائے اور مسلمان غالب ہوجائیں۔

فی الحال ہم یہ کام کریں کہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کران کے لئے دعا کریں، ان آداب کی رعایت کے ساتھ کریں جو میں نے بیان کئے ہیں اور اپنے لئے اور ان کیلئے دل و جان سے استغفار کریں، فرض نمازوں کے بعد بھی بہت گڑگڑا کر دعا کریں ویسے بھی چلتے پھرتے ہر حالت میں دُعا کرتے رہیں۔ اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان کی بہت زبردست مدد کرسکتے ہیں، یہ بھی ان کیلئے زبردست اور بہترین مدد ہوگی، جس میں نہ ہمارے پیسے خرچ ہوں گے، نہ طاقت خرچ ہوگی، نہ قوت خرچ ہوگی، نہ کوئی خاص وقت خرچ ہوگا۔ اتنا تو کم سے کم کریں پھر آگے اگر پیسے کی ضرورت ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کیلئے بھی ہمیں تیار رہنا چاہئے، جان کی ضرورت ہوگی تو جان کیلئے بھی تیار رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

حلم و بُردباری

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حلم اور بردباری

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اَمَّابَعْدُ!

میرے قابلِ احترام بزرگو!

جس طرح باطن کے دو عمل اور دل کے دو عمل اور حسن اخلاق میں سے دو خُلُق، ایک تواضع اور دوسرے عبدیت گزشتہ اتوار کو آپ کی خدمت میں بیان کئے گئے تھے، اسی طرح آج بھی ایسا ہی ایک حسنِ خلق، اچھی عادت، اچھی خصلت اور دل کا ایک اہم عمل آپ کے سامنے بیان کرنے کا ارادہ ہے اللہ جل شانہٗ اپنے فضل وکرم سے وہ ہم سب کے اندر پیدا فرمائے اور تا زندگی اسے اپنائے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اس پر دنیا اور آخرت کی جو بے شمار برکتیں، رحمتیں، راحتیں، عافیتیں اور اجر وثواب ہے وہ ہمیں نصیب

فرمائے۔ آمین

انکساری پیدا کرنے کا گُر

جب کوئی شخص اپنے دل میں اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتا ہے اور حقیر سمجھتا ہے تو اس میں ضرور عاجزی پیدا ہوتی ہے اس کے اندر ضرور خاکساری آتی ہے پھر اس کی باتوں میں بڑائی نہیں ہوتی، اس کی چال میں اکڑ نہیں ہوتی، اس کی گفتگو میں انکساری پائی جاتی ہے اور یہ بہت اعلیٰ وصف ہے اور بہت اونچی خوبی ہے (اللہ پاک نصیب فرمائے۔ آمین) اور جب تواضع آجاتی ہے تو پھر انسان کے اندر عبدیت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

عبدیت کا مفہوم

عبدیت کا یہ معنی ہے کہ جو حکم ملے سر آنکھوں پر، جیسے میں نے غلام والا قصہ سنایا تھا کہ بس وہ چوں چرا نہیں کرتا بلکہ جو اللہ پاک کھلا دیں اس پر راضی رہتا ہے جو پہنا دیں اس پر راضی ہے جو عطاء فرما دیں اس پر راضی ہے جہاں اس کو رہنے کی جگہ عطاء فرما دیں اس پر راضی ہے، جس حال میں رکھیں ہر حال میں راضی رہتا ہے بالکل اسی طرح کہ جدھر مولا ادھر شاہ دولہ۔

''جدھر مولیٰ ادھر شاہ دولہ'' کا پسِ منظر

یہ کہنے کو تو ایک جملہ ہے مگر اس کے پیچھے ایک پورا واقعہ ہے اور وہ یہ

ہے کہ کسی بستی میں سیلاب آیا، وہ بستی کسی دریا کے نیچے آباد تھی اور جہاں کہیں بند ہوتا ہے تو قرب و جوار کے لوگ بھی خطرے میں رہتے ہیں، اگر گرمیوں میں پانی خیریت سے گزر جائے تو ان کی بھی خیریت ہے اور اگر سیلاب کا خطرہ ہو جائے اور بند ٹوٹنے کا اندیشہ ہو جائے تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے، نقلِ مکانی تک کی نوبت آ جاتی ہے، وہاں بھی یہی صورتحال تھی ایک مرتبہ دریا میں سیلاب آ گیا اب اپنی زمینوں کو، اپنے مویشیوں کو، اپنے مال و دولت کو اور گھر بار کو بچانے کے لئے سب پریشان تھے اس لئے جو جس سے ہو سکتا تھا وہ اس نے کیا۔

مصیبت میں صحیح راستہ

مؤمن میں یہ کمال ہونا چاہئے کہ چھوٹی مصیبت آئے یا بڑی مصیبت آئے سب سے پہلے اس کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف جانا چاہئے، یہ عیب کی بات ہے کہ ساری دنیا کی کوشش کرنے کے بعد آخر میں خدا یاد آئے، یہ بڑی کمزوری کی بات ہے، یہ ایمان کی کمزوری کی بات ہے اور اکثر یہ ناکامی کا راستہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ:

تو ملے تو کوئی مرض نہیں
تو نہ ملے تو کوئی دوا نہیں

جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آجائے تو کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی اور اگر ان کی مدد نہ ہو تو آسان سے آسان بھی مشکل ہے لہذا ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے پر چھوٹی تکلیف آئے یا بڑی تکلیف آئے، اسے چھوٹی ضرورت پیش آئے یا بڑی ضرورت، پہلے اس کی نظر اللہ تعالیٰ پر جانی چاہئے، اللہ تعالیٰ سے رجوع ہو، ان سے دعا کرے، ان سے درخواست کرے پھر اسباب کی طرف توجہ دے اور کوشش کرے۔

آمدم برسر مطلب

یہ جو بستی والے تھے ان کا بھی وہی حال تھا جو ضعیف الایمان لوگوں کا ہوتا ہے کہ پہلے تو ادھر ادھر بھاگتے رہے کہ کیا کریں؟ پشتے کی مضبوطی کے لئے کوشش کرتے رہے پھر حکومت سے رابطہ کرتے رہے لیکن جب ساری کوششیں ناکام ہوگئیں تو اب خدا یاد آیا اور کہنے لگے کہ چلو بھئی اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے بزرگ شاہ دولہ کے پاس چلو، ان سے دعا کراؤ، گو اس آخری مرحلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جانا یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے رجوع ہو جانا بھی غنیمت ہے مگر کمال نہیں ہے۔

بہر حال وہ آئے اور آکر عرض کیا کہ حضرت! سیلاب بہت خطرناک صورتحال اختیار کئے ہوئے ہے کسی بھی وقت بند ٹوٹ سکتا ہے اور

بستی ڈوب سکتی ہے ہم نے تمام کوششیں کرلیں، کوئی صورت بھی اس خطرے سے بچنے کے لئے نہیں ہے اب آپ کی خدمت میں آئے ہیں، حضرت! آپ کچھ دعا فرمادیجئے، حضرت نے سن کر فرمایا کہ بھئی ایسا کرو اگر تم کچھ چاہتے ہو تو اس کے لئے میں جیسے کہوں تمہیں ویسا کرنا ہوگا، انہوں نے عرض کیا کہ جو آپ کہیں گے ہم وہ کریں گے اس لئے کہ ہم تو جو کچھ کر سکتے تھے وہ کر چکے۔ شاہ دولہ نے فرمایا کہ گاؤں کے اندر جتنے بھی مرد ہیں وہ سارے آجائیں بیلچے، پھاوڑے لے لیں، تگاریاں لے لیں اور میرے ساتھ چلیں اور جہاں سے میں کھودنے کے لئے کہوں وہاں سے کھدائی شروع کردیں۔ اب مرتے کیا نہیں کرتے کیونکہ قول و قرار ہو چکا تھا لہٰذا اب حضرت کے کہنے پر نکلے، حضرت سیدھے بند کی طرف نکلے اور فرمایا کہ بند کے نیچے سے گاؤں کی طرف نہر کھود دو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: ''میں نے کہا تھا کہ میں جو کہوں گا تمہیں وہ کرنا ہوگا''، انہوں نے عرض کیا: ''حضرت! اس سے تو ہم بچنا چاہ رہے ہیں اور آپ یہ فرمارہے ہیں کہ بند کے نیچے سے نہر نکالو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ہی اپنے سر پر کلہاڑی ماریں''۔ حضرت نے کہا: ''بھئی میں جو کہوں گا کرنا پڑے گا مانو یا مت مانو'' اب انہوں نے کہا کہ عافیت اسی میں ہے کہ جو بزرگ کہیں وہ مان لو، عقل مت چلاؤ، ہر جگہ عقل کام نہیں دیتی۔

چنانچہ ان سب نے حضرت کی بات مان کر کھودنا شروع کر دیا، کھود بھی رہے ہیں اور اپنے آپ کو کوس بھی رہے ہیں کہ حضرت کے پاس آ کر ہم اور اٹک گئے۔ اب تو ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے گاؤں کو ڈبونے کا انتظام کر رہے ہیں باقی حضرت جانیں۔ شام تک وہ نہر آدھے گاؤں تک پہنچ گئی تو حضرت نے کہا بس بس کام روک دو اور جاؤ جا کر سب اپنے اپنے کوٹھوں میں سو جاؤ، جاگنے کی کوئی ضرورت نہیں، بے فکر ہو کر سو جاؤ تم نے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔ حضرت نے تو تسلی دے دی مگر ان کو کہاں تسلی ہوتی ساری رات سب چھتوں کے اوپر، جھونپڑوں کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں، درختوں کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور بند کی طرف نظر گاڑ رکھی ہے کہ اب بند ٹوٹا اور پانی نہر میں آیا اور سیدھا گاؤں میں آیا اور ہم سب بہے، ساری رات ٹکٹکی باندھے بیٹھے رہے۔ اندھیرے میں نظر تو کچھ نہیں آیا بہر حال صبح اس حالت میں ہوئی کہ سیلاب نہیں آیا یعنی بند نہیں ٹوٹا اور پانی گاؤں کے اندر نہیں آیا اب سویرے اٹھتے ہی بھاگے کہ دیکھیں تو سہی کہ کیا ماجرا ہے؟ ہمارے ڈوبے اور غرق ہونے میں کسر تو نہیں تھی لیکن کیا بات ہے کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں آیا، کوئی شور بھی سنائی نہیں دیا اب جا کر دیکھا تو وہ پوری نہر پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی وہاں تک پانی آ کر واپس جا چکا تھا اور سیلاب کا رُخ مڑ چکا تھا یہ حیران رہ گئے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہوا۔

اب حضرت کی خدمت میں گئے کہ حضرت رات تو بڑی مشکل سے گزری مگر صبح ساری راحت مل گئی سارا خطرہ ٹل گیا، پانی بند سے نیچے آ گیا اور نہر بھی بھر گئی اور وہاں سے پانی واپس جا رہا ہے، حضرت! آپ نے یہ کیا ترکیب بتائی تھی ہمارا تو کلیجہ منہ کو آیا ہوا تھا اور ہم تو آپ کے پاس آ کر بھی پچھتا رہے تھے مگر آپ کے پاس آنا تو بہت مبارک رہا، حضرت نے فرمایا: '' بھئی بات یہ ہے کہ جب تم میرے پاس آئے اور تمہارے چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں اور تم پریشان حال تھے تو میں نے دعا کی کہ یا اللہ اپنے ان بندوں پر رحم فرما دیجئے اور ان کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرما دیجئے تو مجھے الہام ہوا کہ جہاں تک میں نے تم سے نہر کھدوائی ہے۔ یہاں تک سیلاب کا پانی آنا مقدر ہے اس سے آگے نہیں جائے گا، لہٰذا اس میں تو تبدیلی نہیں ہو سکتی اور باقی سب کچھ ہم تمہاری دعا سے ان کے ساتھ رعایت کر دیں گے مگر پانی یہاں تک آئے گا، جب مجھے یہ الہام ہوا تو میں نے سوچا کہ پہلے ہی سے پانی کے آنے کا راستہ بنوا دوں تو وہ خاموشی سے آئے گا اور خاموشی سے چلا جائے گا، اور اگر نہیں بنواؤں گا تو بند ٹوٹے گا اور پانی ٹھاٹیں مارتا ہوا وہاں تک جائے گا اس سے پہلے یہ گاؤں خالی کر چکے ہونگے اور ڈر کر نہ جانے کہاں سے کہاں جا چکے ہونگے سوائے پریشانی کے ان کو اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا جبکہ پانی یہیں تک آئے گا۔ اس لئے میں نے تم سے کہا کہ چلو

جلدی سے بند کے نیچے سے نہر یہاں تک کھود وا ور جا کر اپنے گھروں میں آرام سے سوجاؤ مگر تم آرام سے نہیں سوئے''، پھر فرمایا: ''جدھر مولا ادھر شاہ دولہ'' یعنی جب اللہ پاک کا یہ حکم تھا کہ پانی نے یہاں تک آنا ہے تو میں اسے کیسے روک لیتا تم بھاری پتھروں کا بھی بند بناتے تب بھی وہ بہہ جاتا، بہتر یہی تھا جو میں نے کیا اس لئے میں کہتا ہوں جدھر مولا ادھر شاہ دولہ۔

جس بندے کے دل میں تواضع پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے آقا کی ہر بات ماننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جو حکم دے دیں، جہاں دیدیں، جس طرح دیدیں بس وہ چوں چرا نہیں کرتا، یہ عبدیت کہلاتی ہے جو بہت اونچا مقام ہے اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

عبدیت کا ثمرہ حلم

اس تواضع اور عبدیت کے اپنانے والے اور اختیار کرنے والے بندے اور بندی کے دل میں ایک قوت برداشت پیدا ہوتی ہے جس کو حلم اور بردباری کہتے ہیں۔

حلم کا مفہوم

حلم کے معنی برداشت کرنا، سہنا اور بردباری کے معنی بھی برداشت کرنے کے ہیں۔ ساتھ ساتھ جو کام بھی کرے سوچ سمجھ کر، اطمینان سے

کرے، جلد بازی سے نہ کرے، جلد بازی سے، تیزی سے اور بے سوچے سمجھے کوئی کام کرنا عیب کی بات ہے یہ جلد بازی شیطانی عمل ہے۔

وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ. (مشکوۃ المصابیح)

ترجمہ

''اور جلد بازی شیطان کا کام ہے''۔

سوچ سمجھ کر اور غور و فکر کر کے آرام و سکون سے کسی کام کو انجام دینا منجانب اللہ ہوتا ہے۔ تواضع اور عبدیت سے انسان کے اندر برداشت کا مادہ پیدا ہوتا ہے انسان میں تحمل کی عادت پیدا ہوتی ہے اور یہ عادت پیدا کرنی چاہئے اس کی بڑی فضیلت ہے اس کا بڑا اجر ہے یہ بہت ہی اونچا مقام ہے۔

حلم کی خوبی اور سختی کا نقصان

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عمل پر اتنا نہیں نوازتے جتنا نرمی، تحمل اور بردباری پر نوازتے ہیں ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ تحمل، حلم اور بردباری ایسی خوبی ہے کہ جہاں بھی یہ موجود ہو اور جس شخص کے اندر یہ پائی جارہی ہو اس کو خوبصورت اور حسین بنادیتی ہے جبکہ سختی اور درشتی، مزاج کی تیزی اور غصہ یہ ایسی بری خصلت ہے کہ جس مرد میں اور جس عورت میں ہو اس کی ساری خوبیوں کو ملیا میٹ اور فنا کردیتی ہے اس کو انتہائی گندہ

اور خراب کر دینے والی عادت ہے، ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے از راہِ نصیحت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ، إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ. (مشکوۃ المصابیح: ص ۴۳۱)

ترجمہ

''اپنے اوپر نرم دلی لازم کرلو، اور سخت دلی اور نازیبا گفتگو سے اجتناب کرو، کیونکہ نرمی ہر چیز کو خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکلتی ہے وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا حلم

اللہ جل شانہ بھی حلیم اور بردبار ہیں، انبیاء علیہم السلام بھی حلیم ہیں اور سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے حلیم اور بردبار ہیں اور یہ حکم ہے کہ:

تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ

ترجمہ

''اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپناؤ''۔

تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون حلیم اور بردبار ہے، وہ بڑے ہی حلیم اور بردبار ہیں۔ چنانچہ قرآن وحدیث اللہ تعالیٰ کے حلم اور بردباری سے بھرے ہوئے ہیں دنیا میں بھی، مرنے کے بعد عالم برزخ میں بھی، بروزِ قیامت بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ہر جگہ اپنی رحمت، نرمی، حلم اور بردباری ہی سے کام لیں گے اور معاملہ فرمائیں گے اپنے بندوں کے ساتھ وہ ہمیشہ سے حلیم ہیں اور حلیم ہی رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے حلم کا ایک واقعہ

اس وقت اللہ تعالیٰ کے حلم و بردباری کا ایک واقعہ یاد آیا جو پہلے بھی میں نے آپ کو سنایا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے کسی بستی پر اپنا عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرمایا اور فرشتے عذاب لے کر آسمان سے زمین کی طرف اترنے لگے اور جس بستی پر یہ عذاب آنا تھا ان کو پتہ بھی نہیں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آرہا ہے، لوگ اپنے اپنے کاموں کے اندر مشغول ہیں، ملازم ملازمت کر رہے ہیں، تاجر تجارت کر رہے ہیں، عورتیں گھر کے کام انجام دے رہی ہیں، ایک عورت گھر میں آٹا گوندھ رہی ہے، اس کا دودھ پیتا بچہ برابر میں رو رہا تھا اور دودھ مانگ رہا تھا، وہ بار بار بچے کو تسلی دیتی تھی کہ بیٹا خاموش ہو جا، میں ابھی آٹا گوندھ کر تجھ کو دودھ پلاتی ہوں مگر بچہ تو بچہ ہی ہوتا

ہے لہٰذا وہ روئے جارہا تھا اور ماں اس کو تسلی دے رہی تھی اسی دوران تسلی دیتے دیتے یکایک اس کی زبان سے نکل گیا کہ:

اُسْکُتْ یَا بُنَیَّ اِنَّ رَبِّیْ حَلِیْمٌ

ترجمہ

''میرے بیٹے! خاموش ہوجا، میرا پروردگار حلیم ہے''

یعنی جیسے اللہ پاک حلیم اور بردبار ہیں تم بھی صبر سے کام لو، جیسے ہی اس عورت کے منہ سے یہ جملہ نکلا اللہ پاک نے ان فرشتوں کو، جو ابھی زمین وآسمان کے درمیان تھے، کہا کہ واپس آجاؤ اس لئے کہ اس بستی میں ایک عورت نے ہمیں حلیم کہہ دیا ہے اب ان کو عذاب دینا ہماری شانِ حلم کے خلاف ہے کہ وہ تو حلیم کہیں اور ہم عذاب دیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے لہٰذا ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے وہیں سے واپس بلالیا بستی والوں کو پتہ بھی نہیں کہ کسی عورت کے ایک جملہ کہنے کی وجہ سے ہم سے عذاب ٹل گیا تو اللہ پاک ایسے حلیم اور بردبار ہیں۔

معاف کرنے کا عظیم الشان بدلہ

اللہ تعالیٰ کی شانِ حلم کا ایک عجیب قصہ یاد آیا غالباً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف فرما تھے۔ اچانک آپ ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھ مبارک بھی نظر آ گئی۔ آپ کا اتنا ہنسنا کبھی کبھی ہوتا تھا اکثر تو تبسم فرمایا کرتے تھے اور مسکرایا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی اتنی زور سے بھی ہنستے تھے کہ ڈاڑھ مبارک بھی نظر آ جاتی تھی، اس واقعہ میں ایسے ہی ہنسے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو ہنسایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ بات یاد آئی کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دو آدمی پیش ہوئے جن میں سے ایک کا دوسرے کے اوپر حق تھا (جانی حق ہوگا یا مالی حق ہوگا) جس کا حق تھا وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ یا اللہ! اس پر میرا حق نکلتا ہے میں اس کا طالب ہوں، آپ اس سے میرا حق دلوادیجئے، اللہ پاک نے اس حق مانگنے والے سے فرمایا کہ تمہارے اس بھائی کے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں ہے، اس کے پاس کوئی نیکیاں بھی نہیں ہیں جو یہ بے چارہ مسکین تم کو تمہارے حق کے عوض کے طور پر دے سکے، اس پر طالب حق یہ عرض کرے گا کہ پھر ایسا کیجئے کہ میرے گناہ ہی اس کے اوپر ڈال دیجئے، یہ کہہ کر سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور فرمانے لگے کہ دیکھو آخرت کا دن ایسا خطرناک اور سنگین دن ہے کہ وہاں آدمی ہر صورت یہ چاہے گا کہ کسی طریقے سے میرے گناہ مجھ سے اتر جائیں، اس لئے کہ وہاں جب انسان دیکھے گا کہ ان گناہوں کا وبال کتنا سخت

ہے اور اس کو اپنا انجام سامنے نظر آئے گا تو اس کی وجہ سے وہ گناہ اس کو بہت ہی خراب، برے اور سنگین معلوم ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے اوپر بھی اپنے حق کے عوض میں یہ گناہ ڈالنے کے لئے نہ صرف تیار ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو اس بندے پر ترس آئے گا جس سے یہ حق مانگے گا، اللہ تعالیٰ کی شانِ حلم بلکہ شانِ کرم دیکھئے کہ یکایک اس طالبِ حق کو بڑے بڑے محلات اور بڑے بڑے نہایت حسین وجمیل اور سونے کے بنے ہوئے خوبصورت شہر نظر آئیں گے جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہوں گے، اس منظر کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا کہ یارب! یہ کس نبی کے محلات ہیں؟ یہ کس صدیق کے مقامات ہیں؟ یہ کس شہید کے درجات ہیں؟ وہ سوچے گا کہ یہ محلات اور سونے کے شہر کسی بہت ہی اونچے مرتبے کے نبی یا ولی کو ملیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ اس کے لئے ہیں جو ان کی قیمت ادا کردے، بندہ یہ سن کر کہے گا کہ یا اللہ! ان کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے، کس کی طاقت ہے جو ان کی قیمت ادا کرے؟ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم بھی اس کی قیمت دے سکتے ہو۔ وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں کیا دے سکتا ہوں؟ میرے پاس کیا رکھا ہے؟ میں کیا دوں گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جو حق تم مانگ رہے ہو وہی معاف کردو، وہی ان کی قیمت ہے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، یعنی جو تم

اپنے بھائی سے اپنا حق مانگ رہے ہو وہ ان سب کی قیمت ہے جو تمہارے سامنے ہے، تم معاف کردو اور یہ لے لو تو وہ ایک دم معاف کردے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور اس کو بھی تم جنت میں لے جاؤ۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ عطاء۔

لیکن آپ ذرا معاف کرنے کا اجر سمجھیں کہ اس بندے کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہے کہ میں اس کے لائق ہو سکتا ہوں، وہ اپنی زبان سے کہہ رہا ہے کہ یہ عالیشان اور عمدہ محلات کسی نبی یا صدیق اور شہید یا ولی کے ہی ہو سکتے ہیں، ہمیشہ اس کو دیکھ ہی لیں تو بڑی بات ہے، حقدار کہاں ہو سکتے ہیں جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بھائی کو معاف کرنے پر ان محلات کا مالک ہی بنا دیں گے۔

حلم کا ثمرہ

جس آدمی کے اندر حلم کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اس کے اندر معاف کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ تو معاف کرنے کے اور درگزر کرنے کے عادی ہیں، درگزر ہی سے کام لیتے ہیں اور اپنے بندوں کی معافی کا بھی کیسے انتظام فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اصل عادت

اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے حلیم ہیں، دنیا میں بھی حلیم ہیں اور آخرت میں بھی حلیم ہیں، اللہ پاک ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تم بھی ہماری خصلت کو اختیار کرو، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اصل عادت حلم ہے وہ جو ناراض ہوتے ہیں تو اصل عادت ناراض ہونا نہیں ہے، بندوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہی اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں، بالذات اللہ تعالیٰ کی عادت غصہ کرنا، ناراض ہونا نہیں ہے بلکہ اصل عادت تحمل، بردباری ہے، برداشت ہے، حلم ہے اور یہی سرکار دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اصل عادت ہے، اسی لئے ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی وجہ سے کسی پر غصہ نہیں کیا، جہاں بھی آپ نے غصہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر، دین کی خاطر، احکامِ دین کا مذاق اڑانے کی وجہ سے اور اس میں کوتاہی اور غفلت کرنے کی وجہ سے غصہ کیا اپنی ذات کی خاطر کبھی کسی پر غصہ نہیں ہوئے، کسی پر ناراض نہیں ہوئے، ہمیشہ آپ نے برداشت سے کام لیا۔ جب اللہ تعالیٰ کی اصل عادت یہ ہے اور رحمت کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اصل عادت یہ ہے تو ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ دونوں پر ہی ایمان لانے والے

ہیں ہمیں بھی اسی عادت کو اپنانا چاہئے کہ ہمیں اپنی ذات کے لئے غصہ نہیں آنا چاہئے اگر ہمیں غصہ آئے تو دین کی وجہ سے آئے اور جتنی ضرورت ہو اتنا آئے اور عام حالات میں ہماری اصل عادت برداشت کرنے کی رہے، تحمل کی رہے، درگزر کی رہے، معاف کرنے کی رہے۔

حقیقی پہلوان

ایک حدیث شریف یاد آئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکمل پہلوان، مکمل پہلوان، مکمل پہلوان (یہ جملہ تین دفعہ فرمایا) پورا پہلوان وہ ہے کہ جب اس کو غصہ آجائے اور غصہ بھی نہایت سخت آجائے اور غصے میں جسم کے بال کھڑے ہوجائیں یا اس کا جسم بھی غصے میں کانپنے لگے، کیونکہ بعض اوقات خوف کے اندر تو بال کھڑے ہوتے ہیں اور غصے میں انسان کا جسم کانپنے لگتا ہے، ایسے سخت غصے میں آکر وہ غصہ پی لے، وہ ہے مکمل پہلوان۔ (الترغیب والترھیب، ج۳: ص ۱۰۳)

اللہ اکبر، اور یہ وہ ہی پی سکتا ہے بھئی جس کو پہلے سے برداشت کرنے کی عادت ہو۔

مراقبۂ حلم

اس لئے عام حالات میں ہر آدمی کو چاہئے کہ اپنے ذہن میں

اسبات کو بٹھائے کہ جب غصے کی بات ہوگی تو میں اس وقت برداشت سے کام لوں گا جو آدمی مسلسل اس کا مراقبہ کرتا رہے گا یعنی تنہائی میں بیٹھ کر تھوڑی دیر یہ سوچے کہ میں حلیم بننا چاہتا ہوں، میں بردبار بننا چاہتا ہوں، میں برداشت کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور پھر برداشت کی خوبیاں سوچے مثلاً یہ جو ثواب میں نے عرض کیا تھا اس کو سوچے اور بھی اس کے اندر بے شمار فوائد ہیں ان کو سوچے اور پھر یہ کہے کہ بس آج کے بعد سے میں انشاء اللہ تعالیٰ حلم اور بردباری سے کام لوں گا جلد بازی اور بے جا غصے سے پرہیز کروں گا اور پھر غصے کے نقصانات سوچے، دین اور دنیا میں اس کے جو نقصانات ہیں ان کو سوچے بس اسی سوچنے میں اللہ پاک نے ایسی خاصیت رکھی ہے کہ سوچتے سوچتے خود بخود طبیعت کے اندر برداشت کا مادہ پیدا ہونا شروع ہوگا اور پھر بڑھنا شروع ہوگا اور غصے کا مادہ کم ہونا شروع ہو جائے گا، اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرے کہ یا اللہ مجھے حلم عطاء فرما۔

ایک پیاری دعا

حدیث شریف میں ایک ایسی پیاری دعا ہے میں چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک کو وہ دعا یاد ہو اور ہم زندگی بھر مانگتے رہیں، وہ دعا یہ ہے

اللّٰھُمَّ اغنِنی بِالْعِلْمِ وَزَیِّنِّی بِالْحِلْمِ وَاَکْرِمْنِی

بِالتَّقْوٰی وَجَمِّلْنِیْ بِالْعَافِیَةِ

(مناجات مقبول دعا،نمبر۱۴۳ المنزل الرابع)

ترجمہ

''اے اللہ! علم کے ساتھ میری مدد فرما اور یا اللہ! حلم کے ساتھ مجھ کو آراستہ فرما اور مجھے تقویٰ سے عزت عطاء فرما اور مجھ کو عافیت کا جمال عطا فرما''۔

یہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ دنیا اور آخرت میں ایمان کے بعد سب سے بڑھ کر ہیں،علمِ دین کی نعمت بڑی نعمت ہے، بہت بڑی دولت ہے،اس کے بعد حلم ایسی چیز ہے کہ سارے اخلاق کا تاج ہے اس کے مقابلے میں غصہ اور غصہ کی زیادتی یعنی بے جا غصہ کرنا یہ ساری بداخلاقیوں اور برائیوں کی جڑ ہے اللہ بچائے۔ اور جناب دنیا اور آخرت کی جتنی بھلائیاں اور جتنی خوبیاں ہیں جتنے کمالات ہیں وہ سب تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہیں، دنیا کی صلاح و فلاح، آخرت کی صلاح وفلاح، قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد یہ سب تقویٰ کے ساتھ وابستہ ہے اور بھئی دنیا و آخرت میں عافیت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے، ساری دنیا کے لوگ بلکہ اولین اور آخرین مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا کر دنیا اور آخرت کی نعمتیں مانگیں اور ایک بندہ ایک کونے میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگے تو یہ عافیت مانگنے والا ان

سے جیت جائے گا، اور یہ مانگنے میں ان سے بڑھ جائے گا اور وہ پیچھے رہ جائیں گے اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ یا اللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عافیت عطا فرما۔ (مشکوٰۃ، ص۲۱۹)

آنحضرت ﷺ کا صبر وتحمل

سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر وتحمل کا ایک واقعہ یاد آیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل رہا تھا تو چلتے چلتے ایک بدو آیا، آپ جانتے ہیں کہ بدو بالکل دیہاتی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، بالکل ناسمجھ اور آداب سے بھی بالکل خالی اور عاری ہوتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس بدو نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر کی چادر مبارک (جس کا کنارہ بھی کافی موٹا تھا) کو اتنی زور سے کھینچا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کھچ کر اس کے قریب آگئی اور گردن مبارک میں چادر کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گیا اور کھینچ کر اس بدو نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مال دیا ہے اس میں سے کچھ میرے لئے بھی دینے کا حکم دے دیجئے، کیسا انداز اختیار کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر مسکرائے اور اس کیلئے مال دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح - ص ۵۱۸)

یہ ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و تحمل، اس لئے بھئی! اللہ تعالیٰ کی بھی اصل عادت حلم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اصل عادت حلم اور بردباری ہے بس ہماری عادت بھی حلم اور بردباری کی ہونی چاہئے۔

حضرت امام اعظمؒ کے صبر و تحمل کا ایک واقعہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حلم اور بردباری کے بڑے عجیب عجیب واقعات منقول اور مشہور ہیں۔ ایک واقعہ میں آپ کو سنا دیتا ہوں، ایک دفعہ بھرے مجمع میں کسی شخص نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے کہا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ بیوہ ہیں، میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، حالانکہ ان کی والدہ نہایت ضعیف تھیں، عمر کے بالکل آخری حصے میں تھیں مگر حاسد حاسد ہوتا ہے، اعتراض کرنے کے لئے کوئی بہانہ ہی بناتا ہے اللہ تعالیٰ بچائے، غرض حضرتؒ کو تکلیف دینے کے لئے اس نے یہ بات بھرے مجمع میں کہی تو حضرت امام اعظمؒ نے غصے میں آنے کے بجائے بڑے تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بھئی! میری والدہ عاقلہ بالغہ ہیں انہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے، میں کیا کہہ سکتا ہوں، آپ میرے ساتھ چلو میں ان سے پوچھ کر بتا دوں گا، جب حضرتؒ فارغ ہو کر گھر کی طرف چلے تو وہ کمبخت بھی پیچھے چلا، جب حضرتؒ اپنے گھر کی دہلیز پر پہنچے اور ایک پاؤں

گھر کے اندر تھا اور دوسرا باہر تو حضرتؒ نے سوچا کہ مڑ کر دیکھوں کہ وہ آ بھی رہا ہے یا نہیں، تو جیسے ہی مڑ کر دیکھا تو اس کا سر تن سے جدا پڑا ہوا تھا، سر قلم ہو چکا تھا یہ دیکھ کر آپؒ نے فرمایا: ''قَتَلَه' صَبْرِی '' میرے صبر نے اسے قتل کر دیا، میرے تحمل نے اس کا بیڑا غرق کر دیا لہٰذا یاد رکھئے کسی بزرگ کو ستانا نہیں چاہئے اس لئے کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے کسی ولی کو ستاتا ہے میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں۔ بعض لوگ ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں ان کا انجام خراب ہوتا ہے۔

اب دعا کرو اللہ تعالیٰ ہمیں حلم و بُردباری کی نعمت عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

☆☆☆

صلۂ رحمی کی اہمیت

اور

تحفہ دینے کے آداب

حصۂ اوّل

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم الله الرحمن الرحيم

حصۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلۂ رحمی کی اہمیت
اور
تحفہ دینے کے آداب

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد!

حقوق کی قسمیں

میرے قابلِ احترام بزرگو!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو شریعت اور دین عنایت فرمایا ہے اس میں حقوق کی ادائیگی پر بڑا ہی زور دیا گیا ہے، بنیادی طور پر دو قسم کے حقوق بتلائے گئے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کے حقوق، دوسرے بندوں کے حقوق۔ دونوں کو ادا کرنا دین اور شریعت ہے، لہٰذا ان کا بجالانا ضروری ہے۔

حقوق اللہ کی قسمیں

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی مختلف قسمیں ہیں اور بندوں کے حقوق کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں جیسے نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، زکوٰۃ دینا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، حج کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، سچی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور ان کو ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنا سراسر دین اور ہمارے ایمان کا تقاضا و مطالبہ ہے۔

حقوق العباد کی قسمیں

اسی طرح بندوں کے حقوق کی بھی بہت ساری قسمیں ہیں جیسے ماں باپ کے حقوق، شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق، بہن بھائیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، عام انسانوں کے حقوق، حیوانات کے حقوق، یہ سارے بندوں کے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق ہیں۔

دین حقوق کی ادائیگی کا نام ہے

یہ حقوق دین اور شریعت کا دوسرا نام ہیں ان کو ادا کرنا دین ہے اور شریعت پر چلنا ہے ان حقوق کی ادائیگی کا بھی حکم ہے لہٰذا بعض لوگ جو یہ سمجھتے

ہیں کہ دین صرف نماز، روزہ ادا کرنے کا نام ہے یہ صحیح نہیں، دین صرف نماز، روزہ ادا کرنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ کے اور اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کرنے کا نام دین ہے۔

اصلاحِ نفس کا مقصد

اللہ والوں سے جو اپنی اصلاح کرائی جاتی ہے، اپنے باطن کا تزکیہ کرایا جاتا ہے، اپنے اخلاق و اعمال کی اصلاح کرائی جاتی ہے اس کے اندر بنیادی چیز یہی ہوتی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرنے والا بن جائے لہٰذا اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بس اصلاح و تربیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تسبیحات کا پابند ہو جاؤں، نوافل کا پابند ہو جاؤں، اشراق و چاشت کا پابند ہو جاؤں، ذکر و تلاوت کا پابند ہو جاؤں پھر جو چاہوں کروں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، شیطان کا دھوکہ ہے۔ اصلاح و تربیت بھی دراصل اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پہچانے اور ان کو ادا کرنے کا اہتمام کرے، بندوں کے حقوق پہچانے اور ان کو ادا کرنے کا اہتمام کرے جس کو یہ بات حاصل ہو جائے تو سمجھو کہ اس کی اصلاح ہوگئی، وہ صحیح معنی میں دین پر چل رہا ہے اور واقعی وہ شریعت کی تابعداری کر رہا ہے۔

رشتے داروں کے حقوق کی اہمیت

بندوں کے حقوق میں رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے کی خاص تاکید ہے، ادا نہ کرنے پر بڑا عذاب اور وبال بتایا گیا ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بڑا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے آج میں اس سلسلے میں کچھ گزارشات عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ پاک اپنے کرم اور اپنے فضل سے صحیح بیان کرنے اور سننے کی توفیق عطاء فرمائیں اور اس کے مطابق ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

رشتہ داروں کے حقوق

اس موضوع کو میں نے اس لئے پسند کیا ہے کہ عزیز و اقارب کے حقوق کی پامالی ہمارے معاشرے کے اندر بہت عام ہے، کوئی گھر ایسا نہیں جس کے اندر ایک دوسرے کے حقوق نہ ہوں کیونکہ ہر گھر میں رشتے دار ضرور ہوتے ہیں، باپ ہونا بھی ایک رشتہ ہے، ماں ہونا بھی ایک رشتہ ہے، اولاد ہونا بھی ایک رشتہ ہے، بہن بھائی ہونا بھی ایک رشتہ ہے، چچا، تایا ہونا بھی ایک رشتہ ہے، دیور، جیٹھ ہونا بھی ایک رشتہ ہے، ساس سسر ہونا بھی ایک رشتہ ہے، بھاوج ہونا بھی ایک رشتہ ہے، یہ رشتے عام طور پر گھروں میں ہوتے ہیں، جب گھروں میں ہیں تو خاندان میں بھی ہیں، جب خاندان میں

ہیں تو برادری میں بھی ہیں اور ان کے حقوق ادا نہ ہونے کی وجہ سے گھر گھر میں بے سکونی اور بے چینی پائی جاتی ہے۔

گھروں کا سکون ختم

رشتے داروں کے حقوق ادا نہ کرنے کا سب سے بڑا نقصان دنیا میں یہی ہے کہ جہاں یہ حقوق ادا نہیں کئے جاتے وہاں لڑائی، جھگڑا، نا اتفاقی، ایک دوسرے سے نفرت، بغض، کینہ، حسد جیسے بہت سے جراثیم سے گھریلو اور معاشرتی فضاء بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اب یہ باتیں تو ہمارے اندر ہوتی ہیں، پھر جب ان کے اثرات ظاہر ہوں گے تو غیبتیں ہونگی، تہمتیں ہوں گی، الزام تراشیاں ہونگی یہاں تک کہ چغلیاں ہونگی، ہاتھا پائی ہوگی، مارکٹائی ہوگی، لڑائی جھگڑا ہوگا، دنگا فساد ہوگا یہاں تک کہ گھر ایک اکھاڑا معلوم ہوگا، دیکھو! ایک دوسرے کے حقوق اور رشتے داروں کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ گھر جو سراپا سکون ہونا چاہئے تھا، سراپا فساد بن گیا، مکان کے اوپر تو موٹا موٹا جلی حروف میں لکھا ہوا ہے ''دارالسکون'' ''ماشاء اللہ'' بھی لکھا ہوا ہے اور نیچے بھی ''دارالسکون'' لکھا ہوا ہے لیکن پورے گھر میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مکان کے اوپر ''گوشۂ عافیت'' بڑا خوبصورت لکھا ہوا ہے، لیکن اندر جا کر دیکھو تو عافیت کا نام ونشان نہیں، اولاد اور ماں باپ میں کوئی

الفت و محبت نہیں اور حقوق کی ادائیگی نہیں، میاں بیوی لڑے بیٹھے ہیں، بہن بھائی ایک دوسرے کو کاٹنے کو دوڑ رہے ہیں، عزیز و اقارب ایک دوسرے سے لڑے پڑے ہیں، کوئی کسی کو دیکھنا گوارا نہیں کر رہا، لہٰذا گھر میں سکون ہے، نہ خاندان میں سکون ہے، نہ برادری میں سکون ہے ہر جگہ لڑائی ہے، ہر جگہ فساد ہے، ہر جگہ بگاڑ ہے، ہر جگہ نا اتفاقی ہے، یہ سب محض اس وجہ سے ہے کہ عام طور پر رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام نہیں۔

عافیت و سکون حاصل کرنے کا راستہ

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے کی جو تاکید فرمائی ہے اگر ہم اس پر عمل کرتے تو ''دار السکون'' واقعی دار السکون بن جاتا؛ ''گوشۂ عافیت'' واقعی عافیت کا گوشہ بنتا اور وہ گھر جس میں راحت کا تمام سامان موجود ہیں وہاں پر واقعی راحت آجاتی بلکہ اگر حقوق کی ادائیگی ہوتی ہو اور بنگلہ کوٹھی نہ ہو بلکہ جھونپڑا ہو اور اس میں قطعاً راحت کا کوئی ظاہری سامان بھی نہ ہو اس کے باوجود گھر کے کونے کونے میں سکون ہوگا، عافیت ہوگی، راحت ہوگی، عزت ہوگی، اکرام ہوگا، خدمت ہوگی کیونکہ رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام پایا جا رہا ہے اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ اس بیان کی روشنی میں ہم اپنا اپنا جائزہ لیتے رہیں کہ ہم کہاں

کہاں اور کس کس جگہ اپنے عزیز واقارب کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں؟ پھر جہاں کوتاہی نظر آئے اس سے بچنے کا اہتمام کریں۔

ادائیگیِ حقوق کا عجیب گُر

ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا گُر بھی سمجھ لیں وہ گُر یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے، کوئی بھی اپنا حق دوسرے سے طلب نہ کرے، جب ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے گا تو ہر ایک کو اپنا حق آسانی سے مل جائے گا اور جہاں کوئی اپنا حق طلب کرے گا کسی کو بھی حق نہیں ملے گا، یہ بڑے پتے کی بات ہے۔

مطالبات سے کبھی حقوق ادا نہیں ہوتے

آج کل حق طلب کرنے کا بڑا رواج ہے، ہر آدمی اپنا حق مانگ رہا ہے، باپ اپنا حق مانگ رہا ہے، ماں اپنا حق مانگ رہی ہے، ملازم اپنا حق مانگ رہا ہے، سیٹھ اپنا حق مانگ رہا ہے سب مانگنے والے ہیں، دینے والا تو کوئی ہے نہیں اور جہاں مانگنے ہی مانگنے والے ہوں، دینے والا کوئی نہ ہو تو حقوق کیسے ادا ہونگے؟ جیسے بھٹو صاحب کے دور میں روٹی، کپڑا اور مکان کا سبز باغ دکھلایا گیا تھا مگر ملا کسی کو کچھ بھی نہیں، کیونکہ سب مانگنے والے تھے کہ روٹی، کپڑا اور مکان ہمارا حق ہے ہمیں ملنا چاہئے، اسلام میں تو العیاذ باللہ ملنا

نہیں ہے، سوشلزم میں ملے گا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ جو ملا ہوا تھا وہ بھی ہاتھ سے گیا اس لئے کہ طریقہ ہی الٹا ہے، کیا مانگنے سے کبھی کوئی حق ملا ہے؟ اس لئے رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنا حق مانگے کہ تم میرا حق ادا کرو، تم میرا حق ادا کرو، میرا یہ حق ہے، میرا حق مجھے دے دو، اس طرح کسی کو بھی نہیں ملے گا، باہر سے کسی کو کیا ملنا، گھر کے اندر ابا جان سے بھی نہیں ملے گا، نہ ماں باپ کو اولاد سے ملے گا اور نہ اولاد کو ماں باپ سے ملے گا لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کا حق ادا کرنے کا اہتمام کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ مجھ پر کس کس کا حق ہے؟ اور مجھ پر کیا کیا حقوق ہیں؟ اور یہ بات شریعت بتائے گی لہٰذا بیٹا یہ معلوم کرے کہ مجھ پر میرے ماں باپ کے کیا حقوق ہیں؟ ماں باپ یہ معلوم کریں کہ اولاد کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ شوہر یہ دریافت کرے کہ بیوی کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ بیوی یہ معلوم کرے کہ شوہر کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ بہن بھائی یہ دریافت کریں کہ ہمارے بہن بھائیوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں؟ دیگر عزیز و اقارب کے کیا حقوق ہیں؟ بس ہر ایک معلوم کرتا جائے اور ادا کرتا جائے تو سب کو اپنا اپنا حق مل جائے گا اور جیسے جیسے اہل حقوق کو ان کے حقوق ملتے جائیں گے گھر میں سکون آتا جائے گا، راحت آتی جائے گی، اکرام آتا جائے گا، عزت آتی جائے گی چاہے اسباب راحت

وسکون گھر میں ہوں یا نہ ہوں۔

اصل صلہ رحمی کیا ہے؟

چنانچہ ایک حدیث شریف میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

عن ابن عمر قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم "لَیْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُکَافِیْ وَلٰکِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُه وَصَلَهَا".

(صحیح البخاری، ۸۸۶/۲)

ترجمہ

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو بدلہ چکائے بلکہ صلۂ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی قرابت کو توڑا جائے تو وہ اس کو قائم رکھے''۔

مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی کرنا، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اچھا برتاؤ کرنا یہ نہیں ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں تو تم بھی اچھا سلوک کرو، وہ تمہارا حق ادا کریں تو تم بھی ادا کرو، وہ تمہاری عزت کریں تو تم بھی کرو یہ صلہ رحمی نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو ادلہ بدلہ ہے، اصل

صلہ رحمی اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی درحقیقت یہ ہے کہ وہ تمہیں حق نہ دیں تم ان کو حق دو، وہ تم سے تعلق توڑیں تم جوڑو، وہ تمہارے ساتھ زیادتی کریں تم انہیں معاف کرو، حقیقت میں یہ صلہ رحمی ہے اس لئے کہ جو اچھا سلوک کرتا ہے اس کے ساتھ دوسرے کا اچھا سلوک کرنا تو عام بات ہے، آپ کو کسی نے سو روپے دیئے تو آپ نے بھی سو روپے دے دیئے، ایک نے آپ کو چائے پلا دی آپ نے بھی اس کو چائے پلا دی، ایک نے آپ کو قورمہ کھلا دیا آپ نے اس کو بریانی کھلا دی یہ تو ادلہ بدلہ ہو رہا ہے جو روزانہ بازار میں ہوتا ہے کہ دس روپے دیتے ہیں کاپی لے لیتے ہیں، سو روپے دیتے ہیں کتاب لے لیتے ہیں یہ تو کوئی سلوک نہیں، اور یہ تو کوئی صلہ رحمی نہیں ہے، یہ ادائے حقوق کی بات نہیں، یہ تو لین دین اور ادلہ بدلہ ہو رہا ہے جبکہ رشتے داری کا حق ادا کرنے میں ادلہ بدلہ نہیں ہوتا، اب ذرا غور کرو یہی چیز ہمارے معاشرے کے اندر سب سے زیادہ ہے گھر گھر میں، رشتے داروں میں، عزیزوں میں، دوستوں میں، ملنے جلنے والوں میں جہاں کہیں آپ دیکھیں گے یہ لین دین اور ادلہ بدلہ نظر آئے گا۔

نیوتہ کی رسم

اس ادلے بدلے کی ایک پیداوار نیوتہ ہے، نیوتہ ایک رسم کا نام

ہے جو بہت پرانی ہے لیکن آج کل بھی اس کا وجود ہے اور وہ یہ ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر جو کچھ لیا دیا جاتا ہے باقاعدہ رجسٹر میں لکھا جاتا ہے، اگر آپ نے مثلاً خالد کی شادی کے موقع پر ایک ہزار روپے دیئے ہیں تو رجسٹر میں لکھا جائے گا کہ آپ نے ایک ہزار روپے دیئے ہیں، اور جو بھی خالد کو کچھ دے رہا ہے وہ سب لکھا جا رہا ہے کوئی ہزار دے رہا ہے، کوئی پانچ سو دے رہا ہے، کوئی دو سو دے رہا ہے، کوئی سو دے رہا ہے، کوئی اس کو واشنگ مشین دے رہا ہے سب لکھا جا رہا ہے، یہ اس لئے لکھا جا رہا ہے کہ جب دینے والے کی شادی ہوگی تو رجسٹر دیکھیں گے کہ کس کس نے خالد کو کتنا دیا تھا؟ اس کے بدلے میں وہ کتنا دے رہا ہے؟ اگر ہزار دیئے تھے تو کم از کم گیارہ سو آنے چاہئیں اگر اس نے بھی آپ کو نو سو دیئے تو لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ کیا مفت کا کھایا تھا؟ پتہ نہیں یہ کنجوس کہاں سے آ گیا؟ نکالو سو روپے اور نکالو اور اگر ہزار کے بجائے گیارہ سو دے دیئے تو کہا جائے گا کہ ہاں یہ ہے اپنا رشتہ دار، یعنی رشتے دار وہ ہے جو مع سود کے واپس کرے، اسے نیوتہ کہتے ہیں، آج بھی بڑے بڑے شادی ہالوں کے باہر آپ میز پر ایک آدمی کو رجسٹر لئے ہوئے بیٹھا دیکھیں گے اور ہر آنے والا اس کے اندر اپنا بدیہ لکھوا رہا ہوگا کہ میں شادی میں ہزار کا لفافہ دے رہا ہوں، میں پانچ سو دے رہا ہوں، میں فلاں چیز دے رہا ہوں وہ سب درج ہو رہا ہوگا، یہ سب ادلہ بدلہ ہے اور یہ

ایسا منحوس ادلہ بدلہ ہے جو حرام اور نا جائز ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا سودی معاملہ ہو گیا اور یہ لعنت اچھی خاصی حاجی نمازی برادریوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔

تحفہ اور نمود و نمائش

ہمارے معاشرے میں ادلہ بدلہ بہت ہے۔اور پھر اس ادلے بدلے کے اندر دکھاوا اور نا موری ہے، نمود و نمائش ہے اور یہ نام و نمود معاشرے کا بیڑا غرق کر دیتی ہے یعنی جو کسی کو ہدیہ دے گا، تحفہ دے گا تو یہ چاہے گا کہ اس کا نام روشن ہو کہ فلاں کمپنی نے اس کی شادی کے موقع پر مرسڈیز گاڑی دی تھی، فلاں نے یہ دیا تھا، فلاں نے یہ دیا تھا اور فلاں نے اپنی بیٹی کو یا بیٹے کو یا بہو کو بنگلہ، کوٹھی دی تھی، جہیز کا سامان کتنا سجایا جاتا ہے اور کس طرح خاندان اور برادری کو باقاعدہ دکھایا جاتا ہے اور اس کے اوپر لیبل لگے ہوئے ہوتے ہیں کہ یہ فلاں کی طرف سے ہدیہ ہے، یہ فلاں کی طرف سے ہدیہ ہے تو اندر ادلہ بدلہ ہے اور اوپر ریاکاری اور دکھلاوا ہے، یہ کوئی صلہ رحمی نہیں ہے اسی لئے اتنی کثرت سے ایک دوسرے کو ہدیئے، تحفے دینے کے باوجود لڑائی جھگڑے بدستور ہیں، فساد ویسے کا ویسا ہے، نا اتفاقی اسی طرح ہے، بے چینی اور بے قراری اسی طریقے سے ہے اور جو لیا دیا جاتا ہے بسا

اوقات اس کو استعمال کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی، وہ رکھے رکھے خراب ہو جاتا ہے اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی، وہ ناکارہ ہو جاتا ہے پھر اس کو ادھر ادھر ضائع کرنا پڑتا ہے یا صدقہ خیرات کر دیا جاتا ہے اس لئے صلہ رحمی اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی بدلے کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے دیا جائے۔

تحفے کا مقصد اور تحفہ دینے کی چند شرائط

یہ ہدیہ اور تحفہ جس کو دیا جاتا ہے یہ اس کے اکرام اور احترام میں دیا جاتا ہے، اس کی محبت کی وجہ سے دیا جاتا ہے اس کے لئے چند باتوں کی پابندی ضروری ہے۔

تحفہ دینے میں صحیح نیت

ان باتوں میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نیت صحیح ہونی چاہئے یعنی یہ نیت ہو کہ مجھے اس سے کوئی بدلہ نہیں چاہئے، مال تو مال زبان سے شکریئے کا بھی طالب نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم اس کو ہدیہ دیں تو اس بات کے بھی ہم طالب نہ بنیں کہ وہ زبان سے شکریئے کے الفاظ بولے، جزاک اللہ کہے کیونکہ یہ بھی اخلاص کے خلاف ہے اس لئے کہ دعا بھی تو اس کا بدلہ ہے، اگر ہم اس کو ہدیہ نہ دیتے تو کیا وہ جزاک اللہ کہتا یا شکریہ

ادا کرتا! اگر وہ شکریئے کے الفاظ بولے یا جزاک اللہ کہے تو وہ کہتا رہے لیکن ہمارے دل میں اس کی نیت نہ ہو، اللہ پاک نے اپنے نیک بندوں کی صفت قرآن شریف میں یہ ذکر فرمائی ہے:

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا. (سورۃ الدھر ۹)

''ہم محض اللہ کی خوشنودی کے لئے تمہیں کھلاتے ہیں ہم تم سے بدلہ نہیں چاہتے اور شکریہ بھی نہیں چاہتے''۔

لہٰذا سب سے پہلے نیت صحیح ہو کہ بس اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیں اس کا کوئی بدلہ بھی دل میں ہرگز ہرگز نہ چاہیں یہاں تک کہ اس کے شکریئے کے بھی طالب اور امیدوار نہ بنیں، یہ اس کے ذمہ ہے کہ وہ شکریہ ادا کرے، اس کو چاہئے کہ وہ بھی اللہ کی رضا کے لئے اس کا بدلہ دے لیکن دینے والے کے دل میں اس کی خواہش نہ ہو چنانچہ اگر وہ ہمیں اس کے بدلے میں کچھ نہ دے یہاں تک کہ وہ زبان سے بھی جزاک اللہ نہ کہے، شکریہ ادا نہ کرے تو ہماری طبیعت میں ذرہ برابر میل نہ آئے۔

مالِ حرام سے تحفہ نہ دیں

دوسری بات یہ ہے کہ جو کچھ دیں مالِ حلال سے دیں کیونکہ حرام

مال جس طریقے سے ہمارے لئے حرام ہے دوسرے مسلمان کے لئے بھی حرام ہے، جس طرح ہمارے لئے اس کا کھانا پینا موجب وبال ہے دوسرے مسلمان کو کھلانا بھی باعثِ وبال ہے اس لئے جو کچھ دینا ہے وہ مالِ حلال سے دیں مالِ حرام سے نہ دیں، جو مالِ حرام سے ہدیہ دے گا وہ بھی گناہ گار ہوگا اور اللہ بچائے اگر دوسرے مسلمان کو بھی اس کا علم ہے تو وہ بھی اس کو استعمال کر کے گناہ گار ہوگا اور مالِ حرام کا وبال سب مسلمان جانتے ہیں کہ اگر کسی کے حلق سے ایک لقمۂ حرام بھی اتر جائے تو چالیس دن تک نہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے، نہ نفل قبول ہوتے ہیں نہ فرض قبول ہوتے ہیں۔ اللہ بچائے آج کل سود کے مال سے، رشوت کے مال سے بڑے بڑے تحفے دینے کا رواج ہے، اپنی جیب سے دینے کا تو رواج نہیں ہے اوپر کی کمائی سے دینے کا زیادہ رواج ہے تو جس طرح اوپر کی کمائی خود حاصل کرنا حرام اور پھر اس کو خود استعمال کرنا حرام ہے اسی طرح اس سے دوسروں کو ہدیئے، تحفے دینا بھی حرام ہے۔ یہ تو رشتے داروں کے حقوق ادا کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے حق کو پامال کرنا ہے اور اس کو ضائع کرنا ہے اس لئے کہ آپ نے ان بیچاروں کو گناہ میں مبتلا کر دیا۔

نام و نمود کے لئے تحفہ نہ دیں

تیسری بات یہ ہے کہ جو کچھ دے نام و نمود کے لئے نہ دے، دکھانے کے لئے نہ دے، ریا کاری کی غرض سے نہ دے، اس نیت سے نہ دے کہ لوگ میری تعریف کریں گے اور میرا نام روشن ہوگا اور لوگ کہیں گے کہ فلاں تو بڑا سخی ہے، فلاں تو اپنے رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کا بڑا ہی اہتمام کرنے والا ہے، وہ لوگوں کے لئے رات دن اپنے دروازوں کو کھلا رکھتا ہے جو جاتا ہے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ اس طرح اپنی تعریف چاہنے کے لئے لوگوں کو تحفے دے رہا ہے، ہدیئے دے رہا ہے، پیسے دے رہا ہے، ہر طرح سے مدد کر رہا ہے، رشتے داروں کی بھی مدد کر رہا ہے، گھر والوں کی بھی مدد کر رہا ہے، محلے والوں کی بھی مدد کر رہا ہے، جو جاتا ہے اس کی نصرت کرتا ہے لیکن اس طرح اگر وہ زمین بھر کر بھی سونا دے دے تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک رائی کے دانے کے برابر اس کی حیثیت نہیں۔ اس لئے کہ دکھاوا اور ریا کاری وہ بدترین گناہ ہے جو نیکیوں کو جلا کر اس طرح ختم کر دیتی ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا کر ختم کر دیتی ہے اور یہ دکھاوا، ریا کاری، نام و نمود آج ہمارے ہاں بہت ہی زیادہ پایا جاتا ہے۔ شادی بیاہ یا کسی اور خوشی کے موقع پر عام طور پر جو کچھ لیا دیا جاتا ہے اس کے اندر نا موری اور دکھاوا بہت زیادہ

ہوتا ہے ایسے ہی غمی کے موقع پر بھی ہوتا ہے چنانچہ اگر کسی کے ہاں کسی کا انتقال ہو جائے یا کوئی اور صدمہ ہو جائے اس موقع پر جو کچھ لیا دیا جاتا ہے، جو کام کئے جاتے ہیں اکثر اپنی ناک کو کٹنے سے بچانے کے لئے کئے جاتے ہیں، جو کچھ قوم کو اور برادری کو کھلایا، پلایا جاتا ہے اور جو کچھ جمع کر کے لیا دیا جاتا ہے اس کے اندر بڑا دخل دکھاوے اور ریاکاری کا ہوتا ہے، جب منع کرو تو کہا جاتا ہے کہ ''ارے بھئی! برادری کیا کہے گی، ہماری تو خاندان میں ناک کٹ جائے گی، بہت ہی بدنامی ہو جائے گی''۔ تو ناک کی خاطر کرتے ہیں اور ناک کی خاطر کرنا ہی ریاکاری ہے، دکھاوا ہے، نام ونمود ہے لہٰذا ریاکاری سے بچیں، دکھاوے اور ناموری سے بچیں۔

تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دیں

تحفہ اور ہدیہ دینے میں جن باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ان میں سے چوتھی بات یہ ہے کہ جو کچھ دیں اپنی حیثیت کے مطابق دیں، جس کے ساتھ بھی آپ تعاون کریں، جس کی بھی مدد کریں، جس کے ساتھ بھی خیر خواہی کریں، اچھا سلوک کریں اپنی حیثیت کے مطابق کریں لہٰذا اگر آپ کسی کو دس روپے دے سکتے ہیں تو دس روپے دیں، سو روپے دے سکتے ہیں تو سو روپے دے دیں، ہزار دے سکتے ہیں تو ہزار روپے دے دیں، ایک لاکھ

دے سکتے ہیں تو ایک لاکھ دے دیں۔غرض یہ کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دیں اور اگر کچھ بھی نہیں دے سکتے تو کوئی کلمۂ خیر کہہ دیں رشتے داروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا، ان کو خوشی کے موقع پر خوش کرنے والا جملہ بول دینا اور غمی کے موقع پر تسلی اور صبر دلانے والا جملہ کہہ دینا بھی صلہ رحمی ہے۔ لہٰذا جس کی جو حیثیت ہو اس کے مطابق کرتا رہے۔

نیکی کر کنویں میں ڈال

پانچویں بات یہ ہے کہ جس رشتے دار کے ساتھ اور جن ملنے جلنے والوں کے ساتھ آدمی کوئی سلوک کرے، کسی بھی قسم کی ان کی مدد کرے، ان کے کام آئے، وہ کر کے بھول جائے، یہ بڑی اونچی بات ہے کہ ''نیکی کر کنویں میں ڈال''، بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ خود اس کا کہیں ذکر نہ کرے اور جیسے انسان جب مر جاتا ہے اسے قبر میں دفنا دیتے ہیں اور اس کا نام ونشان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے بعد بھی اس کو دفنا دو، نام ونشان ختم کر دو پھر کبھی بھول کر بھی اسے اپنی زبان پر مت لاؤ، ہرگز اپنے مقصد واختیار سے یہ نہ چاہو کہ دوسروں کے سامنے میری اس خدمت کا ذکر کیا جائے۔اور بھئی! احسان کر کے بھول جانے والے بھی بہت کم ہیں لاکھوں میں کوئی ہوگا جو اپنے کسی رشتے دار کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرے

اور پھر اس کو بھول جائے۔ ایک وقت تو آدمی اس پر ذرا خاموش رہتا ہے وہ کب؟ کہ جب ہم سلوک کر رہے ہیں وہ بھی کر رہا ہے، ہم اس کے ہاں جاتے ہیں وہ ہمارے ہاں آتا ہے، ہم اس کی دعوت کرتے ہیں وہ ہماری دعوت کرتا ہے، ہم اس کی عیادت کو جاتے ہیں وہ ہماری عیادت کو آتا ہے، ہم اس کے آڑے وقت میں کام آتے ہیں وہ ہمارے آڑے وقت میں کام آتا ہے اس حد تک تو خاموشی رہتی ہے، کوئی کسی کو کچھ نہیں بولتا وہ سمجھتے ہیں کہ گاڑی صحیح چل رہی ہے حالانکہ صحیح نہیں چل رہی ہے بلکہ ٹیڑھی چل رہی ہے مگر اس سے زیادہ ٹیڑھی جب ہوتی ہے کہ جیسے ایک آدمی اس کے آڑے وقت میں کام آرہا ہے بے چارہ بیمار تھا، لاکھوں روپے اس کی بیماری پر خرچ ہو رہے تھے ایک رشتے دار نے اس کا آپریشن کروا دیا، لاکھوں روپے خرچ کر دیئے اس کا ''بائی پاس'' کروانے والا قابلِ بائی پاس ہو گیا اور جس وقت اس نے دوسرے کا بائی پاس کروایا تھا اس کے پاس لاکھوں روپے تھے لیکن جب اس کا وقت آیا تو جس کا بائی پاس کروایا تھا اس کے پاس ہزاروں بھی نہیں ہیں اب اگر اُس نے اس کا بائی پاس نہیں کروایا تو بھانڈہ پھوٹ جائے گا اب جو بھی اس کے پاس آئے گا اس کو کہے گا کہ ''کم بخت مردود کو دیکھا ہم نے سارا پیسہ اس کے اوپر قربان کر دیا، اب جب ہمارا وقت آیا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں، جب اس کی غرض تھی تو ہم نے اپنے پیسے

پانی کی طرح بہادیئے اور جب ہمارا وقت آیا تو اس نے سلام کرنا بھی چھوڑ دیا'' جو آرہا ہے اس کو یہی سنا رہا ہے تو جو لاکھوں روپے بائی پاس پر خرچ کئے تھے وہ بھی مٹی ہو گئے اور اس نے اپنے سلوک کو سب کے سامنے آشکارا کردیا بلکہ دوسرے کے اوپر احسان جتادیا۔

عورتوں کا ایک عام مرض

عورتوں کے اندر یہ بات بہت زیادہ پائی جاتی ہے کہ عورتیں جب ایک دوسرے کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرتی ہیں، ہدیہ، تحفہ دیتی ہیں یا کسی کے کام آتی ہیں اور پھر وہ اس کے موقع پر کام نہ آئے تو اچھا خاصہ فساد گھر کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جہاں بیٹھیں گی بس کہیں گی'' فلاں کم بخت کو دیکھو ہم نے ایسا سلوک کیا تھا، ہم اس کے کام آئے، راتوں کو جاگے، دن کو ہم نے ان کے چکر لگائے، ہم نے اپنا آرام دیکھا نہ راحت دیکھی، اور اس کم بخت نے ہمارے ساتھ یہ کیا کہ آکر پوچھا بھی نہیں کہ کیسی طبیعت ہے؟ کیسا مزاج ہے؟'' تو اس طرح جو نیکی اور سلوک کیا تھا، جو ہمدردی کی تھی اس کو ذبح کردیا، اپنے کیے پر پانی پھیر دیا، یہ بڑی خطرناک صورتحال ہے اس لئے پانچویں شرط میں نے یہ بتائی ہے کہ جس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو اللہ کی رضا کے لئے کرو اور پھر کر کے بھول جاؤ کہ میں نے کس کے ساتھ کیا سلوک

کیا تھا، یاد بھی مت رکھو اس لئے کہ اس کا بدلہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے درکار ہے مخلوق سے درکار ہی نہیں اور مخلوق سے تو جب بدلہ چاہیں جب مخلوق کے واسطے کریں۔

احسان جتانے کا مرض

بعض عورتوں کے اندر یہ عادت ہوتی ہے اسی طرح بعض مردوں کے اندر بھی یہ عادت ہوتی ہے کہ موقع بموقع احسان جتاتے رہتے ہیں، باتوں باتوں میں کہہ دیتے ہیں کہ بھئی اس کے پاس کیا تھا؟، سب کچھ ہم نے دیا تھا، اس کو کوئی نوکری مل سکتی تھی؟ یہ تو ہماری سفارش سے اس کو ملی ہے، اس کو کیا آتا تھا؟ ہم نے لکھایا پڑھایا، اس طرح کہنے سے سارے کئے پر پانی پھیر دیا، اور اپنے آپ کو برباد کیا، ایک حدیث شریف میں احسان جتلانے والے شخص کے متعلق بڑی سخت وعید آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلٰثةٌ لا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ولا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ ولا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عذابٌ أَلِيْمٌ ، قال أبُوذَرٍ: خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ والْمُنَفِّقُ سلعتهُ بالْحَلِفِ الكَاذِبِ.

(رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ المصابیح، ج ۲ ص ۲۴۳)

ترجمہ

تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائیں گے، نہ انہیں (بنظرِ شفقت و رحمت) دیکھیں گے، نہ انہیں پاک کریں گے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''وہ تو ناکام ہو گئے، خسارہ پا گئے، اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱) ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا۔

۲) احسان کر کے جتلانے والا۔

۳) جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔

نیز قرآن کریم میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ.

(البقرۃ ۲۶۴)

ترجمہ

اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو، جس طرح وہ شخص اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر نہ روزِ قیامت پر، سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی ہو پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو بالکل صاف کردے (یعنی جیسا تھا ویسا صاف کردے) ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی، اللہ تعالیٰ کافروں کو راستہ نہ دکھلائیں گے۔

اس طرح جب ہم ان باتوں کا لحاظ کر کے کسی کو ہدیہ اور تحفہ دیں گے اور کسی کی مدد کریں گے اور کسی کے آڑے وقت میں کام آئیں گے تو یہ بہترین صلہ رحمی ہوگی۔

تین آدمیوں کا حساب آسان ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا حساب آسان فرمادیں گے۔ یاد رکھو! یہ بہت بڑی بشارت ہے، یہ بڑی زبردست فضیلت ہے اس لئے کہ آخرت کے حساب وکتاب کی گھبراہٹ اور

اس کی بے چینی کا ہمیں یہاں کوئی صحیح اندازہ ہی نہیں ہے، اگر دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی شخص کو کھڑا کر کے اس سے اس کا حساب مانگے تو کیا وہ حساب دے سکتا ہے؟ تو احکم الحاکمین اگر کسی سے اس کی زندگی کا حساب لیں تو کون اس کا حساب دے سکتا ہے؟ اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلَاتِهِ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ: اَنْ يُنْظَرَ فِيْ كِتَابِهٖ فَيَتَجَاوَزُ عَنْهُ اِنَّهُ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ".

(مشکوۃ باب الحساب والقصاص والمیزان ۲۰/۴۸۴)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ یا اللہ! میرا حساب آسان کیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے یہ سن کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: "آسان

حساب کی یہ صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامے کو ایک نظر دیکھے گا اور درگزر فرمادے گا، اے عائشہ! جس کے حساب میں سوال وجواب کئے گئے تو وہ برباد ہو گیا''۔

اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بتاؤ! تم نے یہ کام کیوں کیا تھا؟ یا یہ کام کیوں نہیں کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کو کون جواب دے سکتا ہے اور آسان حساب اس کو فرمایا گیا کہ بندہ کا اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے دیکھیں گے اور فرمائیں گے اچھا بھئی جنت میں چلے جاؤ، وہ پوچھیں گے نہیں، سوال نہیں فرمائیں گے، بغیر سوال کے ہی بندہ ان کے سامنے تھرتھرا رہا ہوگا۔ سوال کا کیا جواب دے گا؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل فرمادیں۔ (آمین)

اس حدیث میں فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا آسان حساب فرمائیں گے اور اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمادیں گے، ایک وہ جوان رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے، جو اس سے تعلق توڑتے ہیں اوز جو اس کو ہدیہ وتحفہ نہیں دیتے، اس کی اچھائیاں بیان نہیں کرتے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے وہ ایسے لوگوں کو اپنے ہدایا اور تحائف سے نوازتا ہے اور جو اس پر ظلم ڈھاتے ہیں یہ ان کو معاف کرتا ہے۔

مشکل کام کو آسان کرنے کا نسخہ

یہ تین کام بڑے دل گردے والے کام ہیں اور جو اللہ کے واسطے کرنا سیکھ لے اس کے لئے انتہائی آسان ہیں، بظاہر تو مشکل لگتا ہے جو ہم سے ملتا نہیں ہے، ہمارے پاس آتا جاتا نہیں ہے ہم اس سے کیسے ملیں؟ کیسے اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، اچھا برتاؤ کریں؟ اسی طرح جو ہمیں دے ہم اسے دیں یہ بالکل آسان ہے لیکن جو نہ دے ہم اسے زبردستی کیسے دیں یا ایسے ہی جو ہمارے ساتھ زیادتی کرتا ہے ہم کیسے اس کو معاف کرتے رہیں؟ لیکن یہ اسی وقت تک مشکل ہے جب تک اللہ تعالیٰ کے واسطے کرنے کی عادت نہ ہو، جب رشتے داروں کے حقوق ادا کرنا اللہ کے واسطے ہو جائے گا تو پھر یہ تینوں کام بے انتہاء آسان ہو جائیں گے اور جب تک اپنے نفس کے لئے یہ کام ہوں گے تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتے، یہ کام حقیقت میں تو آسان ہیں مگر طریقہ صحیح ہونا چاہئے اور صحیح طریقہ وہ ہے جو میں نے پہلے بیان کر دیا کہ اللہ کے واسطے کرنے کی عادت ڈالیں، ماں باپ اولاد کے ساتھ جو سلوک کریں اللہ تعالیٰ کے لئے کریں، اولاد جو کچھ کرے اللہ کے واسطے کرے، شوہر جو کچھ کرے وہ اللہ کے واسطے کرے، بیوی جو کچھ کرے اللہ کے لئے کرے، بہن بھائی جو کچھ کریں اللہ کے واسطے کریں، سب ایک دوسرے کے

ساتھ جو کچھ کریں اللہ کے واسطے کرتے رہیں پھر یہ تینوں کام آسان ہیں پھر آدمی ان سے بھی مل سکتا ہے جو منہ موڑنے والے ہیں، انہیں بھی سلام کر سکتا ہے جو سلام کا جواب نہیں دیتے، ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کر سکتا ہے جو اس کے ساتھ برا برتاؤ کرتے ہیں، ان کو بھی دے سکتا ہے، جو اس کو کبھی پوچھتے ہی نہیں، آج تک کبھی اس کو دعوت میں نہیں بلایا، کبھی کھانے پر نہیں بلایا، کبھی گھر پر نہیں بلایا، کبھی چائے نہیں پلائی، کبھی پانی کا نہیں پوچھا اور یہ چائے بھی پلا رہا ہے، پیسٹری بھی کھلا رہا ہے، مرغی بھی کھلا رہا ہے، قورمہ بھی کھلا رہا ہے، دعوت میں بھی بلا رہا ہے، سب کچھ کر رہا ہے اور اسی طرح وہ آئے دن بدنام کرتا رہتا ہے، برا بھلا بولتا رہتا ہے، کچھ نہ کچھ کہتا رہتا ہے مگر یہ اس کی برائی نہیں کرتا بلکہ اس کی اچھائیاں بیان کرتا ہے، جب ملتا ہے اس کا اکرام کرتا ہے، دل میں اللہ کی عظمت ومحبت پیدا ہو جانے کی صورت میں بندہ کے لئے یہ سب کچھ آسان ہو جاتا ہے، مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

نہ لو نام الفت جو خودداریاں ہیں
یہاں سرفروشوں کی سرپاریاں ہیں
جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں
جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں

یہاں عشق سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اللہ تعالیٰ

کی فرمانبرداری، ان کے دین پر فدا ہونا، ان کے احکام کو دل و جان سے بجا لانا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب رہنا مراد ہے، ایک اور شعر ہے:

امیری غریبی میں یکساں رہے ہم
نہ جب ذلتیں تھیں نہ اب خودداریاں ہیں

تو بھئی! اللہ تعالیٰ سے تعلق جڑ جائے تو یہ تین کام جو بظاہر ہمیں مشکل لگتے ہیں، یہ بھی آسان ہیں اور ان کی یہ زبردست فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ تین کام کرنے والوں کا آسان حساب لیں گے اور اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمادیں گے۔

اللہ جل شانہ اپنے کرم اور اپنے فضل سے ہمیں اپنے عزیز و اقارب اور رشتے داروں کے حقوق کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق دے اور جو شرائط میں نے ابھی بیان کی ہیں ان کے مطابق رشتے داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

صلۂ رحمی کی برکات

اور

قطع رحمی کے نقصانات

حصہ دوم

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

حصۂ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلۂ رحمی کی برکات
اور
قطعہ رحمی کے نقصانات

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد!

میرے قابلِ احترام بزرگو!

گذشتہ اتوار کو آپ کی خدمت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے کیونکہ رشتے داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا بڑے اجر وثواب کا کام ہے اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے جب کہ قطع رحمی، قطع تعلق کرنا، عزیز واقارب کو ستانا اور پریشان کرنا بڑے عذاب اور وبال کی چیز ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہمارا

دین صرف نماز، روزہ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ ہماری ساری زندگی پر حاوی ہے جس میں عزیز و اقارب اور رشتے داروں کے حقوق بھی بیان کئے گئے ہیں اور ان کے ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے لہٰذا اگر ہم نیک اور دین دار بننا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہیں تو جس طرح نماز پڑھنا ضروری ہے، رمضان کے روزے رکھنا ضروری ہیں، زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، حجِ فرض کو ادا کرنا لازم ہے، حلال کمانا فرض ہے، حرام سے بچنا ضروری ہے اسی طرح رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے بھی ضروری ہیں۔

قطع رحمی جنت سے محرومی کا سبب

آج انشاء اللہ وہ چند احادیث مبارکہ آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں گی جن میں رشتے داروں کے حقوق ادا نہ کرنے پر وعیدیں آئی ہیں اور جن میں رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ثمرات اور فوائد کا ذکر ہے چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ"۔

(صحيح البخاري ۲/۸۸۵، كتاب الادب)

ترجمہ:

حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ فوراً نہیں جائے گا بلکہ پہلے قطع رحمی کا گناہ کرنے کی سزا پائے گا پھر سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا اور خدانخواستہ اگر کوئی قطع رحمی کو حلال سمجھتا ہو تو حرام کو حلال سمجھنے سے تو ایمان ہی چلا جاتا ہے لہٰذا ایسا شخص پھر ہمیشہ ہمیشہ اللہ بچائے دوزخ میں رہے گا لیکن جو شخص قطع رحمی کو گناہ سمجھتا ہے، حرام سمجھتا ہے لیکن پھر بھی اس سے کوتاہی ہو جاتی ہے، غفلت و لاپروائی سے وہ اس گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے اگر وہ دنیا کے اندر توبہ کر لے اور جس کے ساتھ اس نے قطع رحمی و قطع تعلقی کی ہے اس سے معافی مانگ لے تو اس کا گناہ معاف بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال یہ قطع تعلقی اور رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی ایسا گناہ ہے جو جہنم میں لے جانے والا ہے۔

قطع رحمی کرنے والے کے اعمال مقبول نہیں

ایک حدیث مبارکہ میں ہے:

عن ابی هُریرة رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول "إِنَّ أَعْمَالَ بَنِیْ

آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيْسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَلَا يُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ"۔ (مجمع الزوائد:۸/۱۹۳)

ترجمہ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر جمعرات یعنی شب جمعہ کو لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں، لیکن قطع رحمی کرنے والے کا عمل مقبول نہیں ہوتا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قطع تعلق ایسا خطرناک گناہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرے نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے اس لئے ضروری ہے کہ اس پہلو سے بھی ہم اپنا جائزہ لیں کہ ہمارا اپنے عزیز و اقارب اور اپنے رشتے داروں کے ساتھ کیسا تعلق ہے؟ اچھا تعلق ہے یا برا؟ اچھا میل جول ہے یا برا برتاؤ ہے؟

حقیقی صلۂ رحمی

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ صلہ رحمی اس کا نام نہیں کہ دوسرے رشتے دار ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں تو ہم بھی اچھا سلوک کرتے رہیں، جس قدر وہ ہمارے ساتھ اچھے انداز میں پیش آتے ہیں تو ہم بھی اس کے

بدلے میں اُن کے ساتھ اچھے انداز سے پیش آتے ہیں۔ یہ صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ یہ تو ادلہ بدلہ ہے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو ادلہ بدلہ کرے یعنی جتنا دوسرے کریں اُتنا یہ بھی کرے، حقیقت میں صلہ رحمی اور اچھا سلوک کرنے والا وہ ہے کہ دوسرا اس کے ساتھ برا برتاؤ کرے یہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، دوسرا اس سے ملنا جلنا پسند نہ کرے یہ اس سے ملے، وہ اسے بالکل نہ پوچھے یہ اسے وقت پر، موقع پر پوچھے، وہ اسے نہ کوئی ہدیہ دے، نہ تحفہ دے، یہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہدیہ اور تحفہ بھی دے، یہ اللہ کی خاطر اس کا حق ادا کرے، وہ چاہے اس کا حق ادا کرے یا نہ کرے، حقیقت میں یہ صلہ رحمی ہے اور یہ اچھا سلوک ہے اس لئے کہ جب دوسرا نہیں کر رہا ہے بلکہ دوسرا ہم سے برا سلوک کر رہا ہے، برا برتاؤ کر رہا ہے، ہم سے اچھی طرح ملتا نہیں ہے، ہمارے کام نہیں آتا لیکن ہم اس کے کام آرہے ہیں تو اللہ کی رضا کے لئے کوئی یہ کام کرتا ہے تو یہ بڑا اونچا عمل ہے اور یہ اصل حسنِ سلوک ہے۔

آخرت کا حساب آسان کرنے والے تین کام

ایک حدیث شریف میں ہے:

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم "ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ حَاسَبَهُ

اللّٰهُ حِسَاباً يَسِيراً وَأَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِه قَالُوا: وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ؟ قَالَ "تُعْطِيْ مَنْ حَرَمَكَ وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ يُدْخِلُكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ".

(مجمع الزوائد ج۸ ص۱۹۷، رقم الحديث ۱۳۴۷۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا"۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ تین باتیں کیا ہیں؟" ارشاد فرمایا: "تم اس شخص کو دو جو تمہیں محروم رکھے اور تم اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جو تم سے قطع تعلق کرے اور جو تمہارے اوپر ظلم کرے تم اس کو معاف کرو جب تم یہ کر لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کریں گے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے اندر یہ تین باتیں پائی جائیں گی اللہ

تعالیٰ اس کا آسان حساب فرمائیں گے اور جنت میں داخل فرمائیں گے، ایک یہ کہ جو اس سے قطع تعلق کرے وہ اس کے ساتھ تعلق جوڑے، دوسرا یہ کہ جو اسے نہ دے یہ اس کو دے اور تیسرا یہ کہ جو اس پر ظلم کرے یہ اس کو معاف کرے، بھئی عزیز و اقارب میں یہی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ آئے دن ہمارے سامنے یہ صورتحال آتی رہتی ہے کہ ایک شخص اپنے عزیز و اقارب کی ہر طرح سے خدمت کرتا رہتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق ان کو دیتا رہتا ہے مگر وہ کبھی پوچھتے ہی نہیں، یہ ان کو اپنے ہاں بلاتا ہے، اپنی تقریب میں دعوت دیتا ہے وہ کبھی بھی نہیں بلاتے کبھی دعوت نہیں دیتے، یہ اپنی طرف سے اچھا برتاؤ اور اچھا سلوک کرتا ہے وہ اس کو ستاتے ہیں، پریشان کرتے ہیں، یہ ان کو تکلیف نہیں دیتا، صبر سے کام لیتا ہے تحمل سے کام لیتا ہے، یاد رکھو یہ عمل بڑا اونچا عمل ہے اور اتنا اعلیٰ عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حساب کتاب آسان فرما دیں گے اور دوسرا یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرما دیں گے اور یہ دونوں چیزیں بہت بڑی ہیں ایک تو حساب کا آسان ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے "اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے" کیونکہ جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ آخرت میں حساب و کتاب کا ہے اگر حساب میں اٹک گیا تو اٹک گیا نکل گیا تو نکل گیا۔ اس لئے اس دنیا میں رہنا ہی کتنے دن ہے؟ اتنے دن رہنے میں اگر اس نے اپنے رشتے داروں اور اپنے عزیز و اقارب کی جانب

سے ہونے والی تکلیفوں کو برداشت کرلیا، انہوں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا مگر اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کرلیا، انہوں نے زیادتی کی، اس نے معاف کردیا تو بھی یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے، یہ کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے، اگر اس کے عوض میں بندے کو آخرت میں حساب کی آسانی مل جائے تو بہت بڑی نعمت ہے، بہت بڑی دولت ہے اور پھر حساب کے بعد جنت مل جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوسکتی ہے؟ اس سے بڑی کامیابی کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بہت بڑی سعادت اور بہت بڑی کامیابی ہے۔

صلۂ رحمی سے روزی میں برکت

صلہ رحمی کرنے میں، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک، اچھا برتاؤ کرنے میں تین بڑے بڑے فائدے ہیں جو بہت سی حدیثوں کے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

عن علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ "مَنْ سَرَّہٗ بِأَنْ یُمَدَّ لَہٗ فِیْ عُمْرِہٖ وَیُوَسَّعُ لَہٗ فِیْ رِزْقِہٖ وَیُدْفَعُ عَنْہُ مِیْتَۃُ السُّوْءِ فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ وَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ".

(مجمع الزوائد ۸/۱۹۵)

ترجمہ

''حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے اور اس کے رزق میں وسعت کردی جائے اور اس سے بُری موت کو ہٹا دیا جائے تو وہ اللہ سے ڈرے اور صلۂ رحمی کرے''۔

اس حدیث شریف میں صلہ رحمی کے دیگر فوائد کے ساتھ ایک فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص صلۂ رحمی کرے گا، رشتے داروں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں غیر معمولی برکت عطا فرمائیں گے، غیب سے اس پر روزی کے دروازے کھول دیں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کی اولاد کو حلال اور کشادہ روزی سے مالا مال فرمادیں گے، اب یہ کتنا بڑا فائدہ ہے؟ اور بھئی عزیز واقارب اور رشتے دار تو سب ہی کے ہوتے ہیں میں نے پچھلے اتوار کو مثالیں دی تھیں کہ پورا ایک خاندان ہوتا ہے اس میں سب ایک دوسرے کے رشتے دار ہوتے ہیں، اس میں امیر بھی ہوتے ہیں، غریب بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں، صحت مند بھی ہوتے ہیں، آدمی ان سے بے نیاز بھی نہیں رہ سکتا اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر آدمی کہیں جنگل میں جاکر بیٹھ جائے اور ساتھ رہنے میں جیسے پانچ

انگلیاں برابر نہیں ہیں، پانچ چہرے ایک جیسے نہیں ہیں تو پانچ مزاج بھی ایک جیسے نہیں ہیں، پانچ طبیعتیں بھی ایک جیسی نہیں ہیں اور جب طبیعتیں ایک جیسی نہیں ہیں تو اختلاف کا ہونا یقینی بات ہے، یقیناً نا اتفاقیاں بھی ہوں گی، وہاں رنجشیں بھی ہونگی وہاں ایک کو دوسرے سے تکلیف بھی یقیناً پہنچے گی، اب اگر آدمی ان تکلیفوں کو لے کر بیٹھ جائے، ان رنجشوں کو لے کر بیٹھ جائے اور اس سے بھی تعلقات توڑ لے، اس سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دے، اس سے بھی سلام و کلام بند کر دے تو شہر میں رہتا ہے، محلے میں رہتا ہے، خاندان میں رہتا ہے لیکن ہر ایک سے لڑا بیٹھا ہے، یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے، یہ تو عیب کی بات ہے، یہ تو کمزوری کی بات ہے اور یہ اپنی آخرت کو برباد کرنے کا کام ہے، ہمیں تعلیم یہ دی گئی ہے اور ہمیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان ساری باتوں کو سرانجام دینے میں اپنے اندر تحمل اور بردباری پیدا کریں، جن جن سے تکلیفیں پہنچ رہی ہیں ان کو اللہ کے لئے معاف کرتے رہو، درگزر کرتے رہو، اس کے باوجود سب سے ملتے رہو، کام بھی آتے رہو، اچھے اخلاق سے بھی پیش آتے رہو، سلام دعا بھی کرتے رہو جو بھی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے رزق کے اندر خیر و برکت عطا فرمائیں گے بھئی! دنیا کا کتنا بڑا مسئلہ حل ہو رہا ہے؟ دو فائدے ہو رہے ہیں ایک تو اس کا معاشی مسئلہ حل ہو رہا ہے کہ گھر بیٹھے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں عجیب وغریب برکت ہوگی، غیر محسوس طور پر

اس کے گھر میں خوشحالی اور فراوانی انشاء اللہ آنی شروع ہو جائے گی، دوسرے اس کی زندگی میں خوشگواری آجائے گی، دنیا کے اندر وہ زیادہ آرام اور راحت سے زندگی گزار سکے گا، بھئی! جو شخص بات بات پر لڑتا ہے، بات بات پر غصہ کرتا ہے، بات بات پر قطع تعلق کرتا ہے، اور ذرا ذرا سی باتوں پر لڑ مر کر الگ ہو کر بیٹھ جاتا ہے، دنیا میں تو وہ ذلیل و خوار ہی ہوتا ہے اور جو اعلیٰ ظرف ہوتا ہے، ان باتوں کو برداشت کر کے پھر بھی خندہ پیشانی کی ساتھ ملتا ہے، اچھا سلوک کرتا ہے، اچھا برتاؤ کرتا ہے دنیا میں بھی اس کی تعریف ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہ محبوب ہوتا ہے اور اس کا ثمرہ اس کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرمائیں گے۔

عمر میں برکت

اس حدیث میں دوسرا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھا سلوک کرنے والے کی عمر کے اندر برکت عطا فرمائیں گے، بار بار حدیثوں کے اندر یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں برکت ہو، اللہ تعالیٰ اس کو عمرِ دراز عطا فرمائیں۔ اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے جتنا وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے گا، اچھا برتاؤ کرے گا اس کی عمر میں برکت ہونی شروع ہو جائے گی۔

بُری موت سے حفاظت

اس حدیث میں تیسرا فائدہ یہ بیان فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ جل شانہ اس کو بری موت سے محفوظ رکھیں گے، اس کو اللہ تعالیٰ حسنِ خاتمہ کی نعمت سے مالا مال فرمائیں گے۔

صلہ رحمی کے دو مزید فائدے

دو فائدے ابھی اس سے پہلے میں نے آپ کے سامنے بیان کئے اور پچھلے اتوار کو بھی بیان کئے تھے کہ آخرت میں حساب و کتاب بھی آسان ہوگا اور اللہ کی رحمت سے جنت میں جانا بھی نصیب ہوگا۔

تو بھئی! اگر دنیا میں اتنے بڑے بڑے فائدوں کی خاطر کوئی آدمی اپنی مونچھ نیچی کرلے اور دو کڑوے جملے سہہ لے اور ذرا سی مخالفت کو سہہ لے تو میں سمجھتا ہوں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں دنیا بھی سنور رہی ہے، عمر بھی بڑھ رہی ہے، خاتمہ بھی بہترین ہو رہا ہے، حساب و کتاب بھی آسان ہو رہا ہے، اللہ کی رحمت سے جنت میں داخلہ بھی مل رہا ہے تو پھر یہ دنیا کی تکلیف تکلیف ہی نہیں ہے، ذرا سا نقصان کوئی نقصان ہی نہیں ہے، سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے برخلاف بدسلوکی کرنے کے، قطع تعلقی کرنے کے اور صلہ رحمی نہ کرنے کے کہ اس کا بڑا عذاب اور وبال ہے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

اس سلسلے میں ایک حاجی صاحب کا قصہ سنو، ایک بہت بڑے تاجر اور مالدار آدمی کسی زمانے میں حج کے لئے تشریف لے گئے، حج میں جانے کے بعد عرفات جانے سے پہلے انہوں نے ایک نیک صالح آدمی کے پاس اپنے ایک ہزار دینار رکھوائے یعنی ایک ہزار اشرفیاں جو سونے کی ہوتی ہیں وہ اس کے پاس بطور امانت رکھوادیں، لوگوں نے کہا کہ بھئی یہ آدمی بہت اطمینان کا ہے ان کے پاس رکھوادو، انہوں نے اس شخص سے کہا کہ بھئی! میں عرفات جارہا ہوں جب میں واپس آؤں گا تو میں اپنے یہ دینار تم سے لے لوں گا لہٰذا تم اپنے پاس رکھ لو۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں رکھ لیتا ہوں اس کے بعد وہ چلے گئے جب حج کر کے یہ شخص مکہ مکرمہ واپس آیا اور جن کے پاس اپنے دینار رکھوائے تھے ان سے لینے گیا، وہاں جا کر پتہ چلا کہ اس شخص کا تو انتقال ہوگیا ہے، حاجی صاحب کو بڑا افسوس ہوا انہوں نے اس شخص کے بچوں سے پوچھا کہ بھئی میں نے تمہارے والد صاحب کے پاس اپنے ایک ہزار دینار رکھوائے تھے تمہیں ان کے بارے میں معلوم ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، ہمارے والد صاحب نے ہمیں کچھ نہیں بتایا کہ

ایک ہزار دینار کہاں ہیں؟ کس کے پاس ہیں؟ یہ بے چارہ سن کر بڑا پریشان ہوا اور مکہ مکرمہ میں اس زمانے میں جو علماء اور صلحاء تھے ان کے پاس گیا اور جا کر اپنی پریشانی کا ذکر کیا کہ حضور میں حج کرنے آیا تھا، میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں، وہ میری واپسی کا خرچ تھا، میں نے فلاں شخص کے پاس رکھوائیں، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے، اور ان کے گھر والے کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں اب میں کیا کروں اور کہاں سے لاؤں؟ انہوں نے اس کو عجیب ترکیب بتلائی کہ تم رات کو بارہ بجے کے بعد زم زم کے کنویں پر جاؤ اور جن کے پاس تم نے پیسے رکھوائے تھے ان کا نام لے کر اس کے اندر آواز دو اگر وہ آواز کا جواب دیں تو تم ان سے پوچھ لینا کہ میرے پیسے کہاں ہیں؟ اس نے ایسا ہی کیا کہ کنویں پر گیا اور جا کر صدا لگائی کہ ارے فلاں ابن فلاں تم یہاں ہو؟ تو کوئی آواز نہیں آئی، کئی مرتبہ آواز دی لیکن کوئی جواب ہی نہیں آیا، وہ مایوس ہو کر واپس آ گیا اور سویرے آ کر علماء سے عرض کیا کہ میں نے رات کو آواز لگائی لیکن اندر سے کوئی جواب ہی نہیں آیا، یہ سن کر انہوں نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ یہ تو بہت افسوسناک صورتحال ہے، اب تم ایسا کرو کہ ملک یمن جاؤ اور وہاں فلاں جگہ ایک کنواں ہے اب تم

وہاں جا کر آواز دو وہ کنواں جہنم کے منہ پر ہے العیاذ باللہ، ہوسکتا ہے کہ اس کی روح وہاں پر ہو اور وہاں پر تم اس کو پکارو شاید وہاں سے جواب ملے، یہ شخص سفر کر کے یمن گیا اور وہاں جا کر کنویں کے اوپر پہنچا اور آواز دی تو وہاں سے جواب ملا کہ ہاں کیا بات ہے؟ اس حاجی صاحب نے کہا کہ میں نے تمہارے پاس ایک ہزار دینار رکھوائے تھے وہ کہاں ہے؟ کہا کہ وہ میرے گھر کے اندر فلاں جگہ زمین کے اندر مدفون ہیں مجھے اپنے بچوں پر اطمینان نہ تھا اس لئے میں نے وہ زمین کے اندر دفنا دیئے تھے کہ جب تم آؤ گے تو نکال کر دے دوں گا لیکن میرا انتقال ہو گیا اب تم جاؤ جا کر فلاں جگہ سے مٹی ہٹاؤ، تمہیں اشرفیاں مل جائیں گی، اس حاجی صاحب نے کہا کہ یہ بتاؤ تم تو نیک آدمی تھے، امانت دار آدمی تھے پھر تم اس عذاب میں کیسے مبتلا ہو گئے؟ تو اس نے جواب دیا کہ دراصل بات یہ ہے کہ میری ایک بہن تھی جو بہت ہی غریب اور مسکین تھی میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور میں نے اپنے حسن سلوک سے اس کو محروم رکھا، میں نے کبھی اس کے ساتھ شفقت بھرا برتاؤ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے صاحب حیثیت بنایا تھا لیکن میں نے اس کا خیال نہیں کیا حالانکہ مجھے اس کا حق ادا کرنا چاہئے تھا لیکن افسوس کہ میں اس کا کوئی حق

ادا نہ کر سکا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکا اس کے نتیجے میں میں اس عذاب کے اندر مبتلا ہوں، اب یہ بالکل اس حدیث کا مصداق ہے کہ جو آدمی قطع رحمی کرنے والا ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اللہ بچائے۔

قطع رحمی کرنیوالا شبِ برات میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم

ایک حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی الله عنها عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال: "أَتَانِیْ جَبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ هٰذِهٖ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلّٰهِ فِیْهَا عُتَقَاءٌ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُوْرِ غَنَمِ کَلْبٍ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ فِیْهَا اِلٰی مُشْرِکٍ وَلَا اِلٰی مُشَاحِنٍ وَلَا اِلٰی قَاطِعِ رَحِمٍ وَلَا اِلٰی مُسْبِلٍ وَلَا اِلٰی عَاقٍ لِوَالِدَیْهِ وَلَا اِلٰی مُدْمِنِ خَمْرٍ". (الترغیب والترهیب ۳۰/۲۴۳)

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے اور

اس رات میں بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے بقدر لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں اس رات میں اللہ تعالیٰ مشرک کی طرف اور کینہ رکھنے والے کی طرف اور قطع رحمی کرنے والے کی طرف اور (ٹخنوں سے نیچے) ازار لٹکانے والے کی طرف اور والدین کے نافرمانی کرنے والے کی طرف اور ہمیشہ شراب پینے والے کی طرف نظر نہیں فرماتے''۔

یہ حدیث تو آپ ہر سال شعبان کے مہینے میں پندرھویں شعبان کے متعلق سنتے ہی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب میں اللہ تعالیٰ قبیلۂ بنوکلب کی بھیڑ بکریوں کے جسم کے بالوں سے بھی زیادہ مقدار میں لوگوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں لیکن والدین کی نافرمانی کرنے والے کی، قطع رحمی کرنے والے کی، شلوار اور تہبند کو ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی، مشرک کی اور کینہ رکھنے والے کی، اس رات میں بھی بخشش نہیں ہوتی۔

قطع رحمی جنت کی خوشبو سے محرومی کا سبب

ایک حدیث میں یہ بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو تم قطع رحمی سے بچو، قطع تعلقی سے بچو،

رشتے داروں کے ساتھ برا سلوک کرنے سے بچو اس لئے کہ اس کا وبال بہت جلدی آ کر انسان کو پکڑ لیتا ہے اس کا وبال نقد آدمی کو گھیر لیتا ہے لہٰذا اس سے بچو اور ایسے ہی ظلم اور زیادتی سے پرہیز کرو کہ اس کا عذاب اور وبال بھی بہت جلدی انسان کے اوپر آ جاتا ہے، والدین کی نافرمانی، ان کو ستانے اور تکلیف دینے سے پرہیز کرو اس لئے کہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے آنی شروع ہو جائے گی یعنی جنتی جب جنت میں جائیں گے تو ابھی جنت تک پہنچنے میں ایک ہزار سال کی مسافت ہوگی مگر اتنی دور سے ان کو جنت کی خوشبو آنی شروع ہو جائے گی لیکن قطع رحمی کرنے والا، والدین کی نافرمانی کرنے اور ان کو ستانے والا، رشتے داروں سے بدسلوکی کرنے والا اس خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے کے لئے وعید

اس حدیث میں اس بات کا تذکرہ بھی ہے کہ جو مرد حضرات اپنی شلوار، اپنا پائجامہ اور اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں ان کے لئے بھی یہی وعید ہے کہ وہ بھی جنت کی خوشبو سے محروم رہیں گے۔ اب شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھنے کا گناہ کتنا عام ہو چکا ہے جس کو دیکھو اس کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہے، پینٹ تو ہوتی ہی ٹخنوں سے نیچے ہے اور جو شلوار پہنتے ہیں وہ بھی ٹخنوں

سے نیچے پہننے کے عادی ہوتے ہیں، اوپر رکھنے والے تو بہت ہی کم ہیں لیکن اس کا عذاب اتنا سخت ہے کہ شب برات میں بھی اللہ جل شانہ ایسے آدمی کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

گھروں میں لڑائی جھگڑے کا سبب

ایسے ہی رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی، قطع رحمی، قطع تعلقی کا گناہ بھی بہت عام ہے، اللہ بچائے گھر گھر میں لڑائی، جھگڑے، فساد اسی وجہ سے برپا ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا رواج نہیں ہے، اچھا برتاؤ کرنے کی عادت نہیں ہے، برداشت کرنے کی عادت نہیں ہے، تحمل کی عادت نہیں ہے اگر کسی نے ایک جملہ بول دیا تو دوسرا دس جملے بولے گا، اگر کسی نے ذرا سی کوئی مخالفت کی بات کردی تو اگلا اس کے باپ دادا کو بھی معاف نہیں کرے گا تو بھئی! یہ حسن سلوک اتنی بڑی دولت ہے کہ اس سے جس طرح عمر میں برکت ہوتی ہے، روزی میں بھی برکت ہوتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ اور صلۂ رحمی

ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی کی جو شروع کی زندگی ہے یعنی پاکستان آنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی زندگی اور پھر پاکستان آنے کے بعد کی زندگی کافی تنگی کی ہے خاص طور پر جب دیوبند

میں حضرتؒ کا قیام تھا تو تنخواہ بہت معمولی تھی، عیال اچھا خاصہ تھا، والدہ بھی حیات تھیں اور ایک بہن جو بیوہ ہوگئی تھیں وہ اور ان کے بچے بھی تھے، سب کی خیر خبر حضرتؒ خود کرتے تھے، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم بتلاتے ہیں کہ ہر جمعہ کے دن میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ جایا کرتا تھا اور حضرت والد صاحبؒ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر وہ اپنی بہن کے پاس جایا کرتے تھے تاکہ ان کو بھی موسمی پھل کم از کم ہفتے میں ایک مرتبہ کھانے کے لئے مل جائیں، یہ صلہ رحمی ہے، والدہ کی بھی ساری زندگی خدمت کرتے رہے، حضرتؒ کی والدہ ماجدہ حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بیعت تھیں اور ایسی عابدہ زاہدہ تھیں کہ ان کے سینے سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی تھی، اس طرح حضرتؒ کا یہ معمول تھا کہ جتنے بھی حضرتؒ کے خاندان والے تھے خاموشی سے چپکے چپکے آپ ہر ایک کی کچھ نہ کچھ خدمت کرتے رہتے تھے۔

حضرت مفتی اعظمؒ کا ایک عجیب معمول

حضرتؒ نے ایک اور عجیب وغریب معمول بنایا ہوا تھا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اس کو اپنا معمول بنالیں، کہ حضرتؒ نے ایک الگ لفافہ بنایا ہوا تھا جو کچھ بھی حضرتؒ کی آمدنی ہوتی، اس کا کچھ فیصد حضرتؒ نے مقرر کیا ہوا تھا جیسے ہی کوئی آمدنی ہوتی تھی تو اتنا فیصد فوراً نکال کر اس لفافے میں ڈال لیا

کرتے تھے اور اس لفافے پر لکھا ہوا تھا کہ ''کارہائے نیک کے لئے اس میں رقم رکھی گئی ہے'' چنانچہ اگر کسی رشتے دار کی خدمت کرنی ہے تو اس میں سے اس کی مدد کرتے، کہیں تعمیر میں پیسے دینے ہیں تو اس میں سے دیتے تھے، کسی غریب آدمی کی مدد کرنی ہوتی تو اس میں سے دے دیتے تھے اس طرح یہ باقاعدہ حضرتؒ کا معمول تھا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل محبوب ہے؟

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو جوش آیا اور جوش میں آکر سارے رشتے داروں، عزیز واقارب کے ساتھ اچھا سلوک، اچھا برتاؤ کر دیا اور جیسے ہی جوش ٹھنڈا ہوا سب کو بھول گیا، جس دن کیا اس دن بے شک اس نے نیک عمل کر لیا، اس پر اسے ثواب ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ عمل محبوب ہے جو تھوڑا ہو مگر ہمیشہ ہو۔

روزی میں برکت

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ کیا تو وہ زمانہ تھا کہ گھر کے اندر بڑی تنگی رہتی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خود حضرت والد صاحبؒ کی حیات میں خوشحالی ہو گئی اور میں نے خود اپنے کانوں سے حضرتؒ سے سنا کہ الحمد للہ اب میں نوابوں کی سی زندگی گزار رہا ہوں اور

اب الحمدللہ ان کے بیٹے، ان کے پوتے نہایت خوشحال ہیں، سب کے ماشاء اللہ بڑے بڑے کاروبار ہیں اور کاروبار بھی دینی کتابوں کے ہیں، یہ فراخی اور کشادگی درحقیقت اس حدیث کی برکت ہے کہ جو اپنے عزیز واقارب کے ساتھ حسنِ سلوک کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطا فرما دیں گے، یہ اس برکت کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

حسنِ سلوک کے چند آداب

ایک بات جو میں نے گزشتہ اتوار کو بھی کہی تھی اب دوبارہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے رشتے داروں کے ساتھ، عزیز واقارب کے ساتھ، بہن بھائیوں کے ساتھ، قریب اور دور کے رشتے داروں کے ساتھ جو سلوک کریں اس کے اندر سب سے پہلے نیت صحیح کریں اور صرف یہ نیت ہو کہ اللہ پاک راضی ہو جائیں بس اور کوئی نیت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہی سے ہم اس کا صلہ چاہیں، اجر وثواب چاہیں، رشتے داروں سے، عزیز واقارب سے کسی بھی قسم کا بدلہ نہ چاہیں یہاں تک کہ شکریئے کا جملہ سننے کی بھی ہم توقع نہ رکھیں، جس کے لئے کیا بس کر لیا، ہم نے ان کے لئے تھوڑی کیا جو ان سے اس کا بدلہ لیں، اسی طرح ہدیہ وتحفہ دینے میں رسم ورواج سے بالکل پرہیز کریں، رواجی طریقوں سے ہٹ کر محض اللہ کے واسطے دیں پھر نہ احسان جتلائیں نہ بدلے

کی توقع رکھیں، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ، قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًى، وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ. (البقرۃ: ۲۶۳)

ترجمہ

''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں نہ (برتاؤ سے ان کو) تکلیف پہنچاتے ہیں، ان لوگوں کو ان (کے عمل) کا ثواب ملے گا۔ ان کے پروردگار کے پاس (جاکر) اور نہ (قیامت کے دن) ان پر کوئی خطرہ ہوگا، نہ یہ غمزدہ ہوں گے، مناسب بات کہہ دینا، اور درگزر کرنا (ہزار درجہ) بہتر ہے ایسی خیرات (دینے) سے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے، اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں، حلیم ہیں''۔

ایک غلطی کی اصلاح

سلوک کرنے میں اس بات کا خیال رکھیں کہ جس کے ساتھ جو بھی سلوک کیا جارہا ہے وہ سلوک اس کے لئے کارآمد اور مفید بھی ہو، اب کسی کو کپڑوں کی ضرورت ہے آپ نے آٹا بھیج دیا حالانکہ آٹا تو پہلے سے موجود ہے اسی طرح کسی کو آٹے کی ضرورت ہے آپ نے کپڑا بھیج دیا تو کپڑا کس کام کا؟ کپڑا تو پہلے سے موجود ہے یا جیسے ہمارے ماحول کے اندر یہ عام دستور ہے کہ کسی کو ہدیہ دیں گے تو مٹھائی کا ڈبہ دیں گے یا کیک دے دیں گے اب اگر وہ بے چارہ شوگر کا مریض ہے تو نہ مٹھائی کھا سکتا ہے نہ کیک کھا سکتا ہے، پھر اگر خوشی کے موقع پر دس رشتے دار آگئے ہر ایک کیک لے آیا، ہر ایک مٹھائی لے آیا تو اس کی تو مٹھائی کی دوکان کھل گئی، ایسی دوکان جس کا کوئی گاہک نہیں ہے اب وہ بے چارہ، مسکین کیا کرے؟ نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کسی کو دے سکتا ہے کہ دوسرا کہے گا ارے بھئی دوسرے کے گھر کے آئے ہوئے تحفوں میں سے ہمیں دے دیا، اور رکھ بھی نہیں سکتا اس لئے کہ رکھے گا تو خراب ہوگا تو یہ ہمارے ہاں رسمی طور پر ہدیہ دینا ہے۔

ہدیہ دینے کا گُر

ہدیہ دینے کا بھی گر سمجھ لو، ایک ہدیہ ہوتا ہے، ایک صدقہ ہوتا ہے

دونوں میں فرق ہے جب صدقہ دو تو اپنی پسندیدہ چیز دو، جو چیز اپنے نزدیک سب سے زیادہ اچھی ہو اللہ کے نام پر وہ فقیر کو دو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔الآیۃ

(سورۃ آل عمران:۹۲)

ترجمہ

''تم ہرگز کامل درجے کی نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ان چیزوں میں سے اللہ کے راستے میں نہ دو جو تم پسند کرتے ہو''۔

اور جب کسی کو ہدیہ دو، تحفہ دو تو جس کو دو اس کی پسند اور اس کی ضرورت کے مطابق دو تاکہ وہ ہدیہ اس کے کام آئے جب کام آئے گا تو اس کا دل خوش ہوگا۔ کیسا پیارا گر ہے جبکہ ہمارا عمل اس کے بالکل الٹ ہے کہ صدقے میں وہ چیز دیں گے جو ہمیں ناپسند ہو، جو خراب ہوجائے، اور ہمارے استعمال کے قابل نہ ہوگی ''مری بھیڑ اللہ کے نام''، یہ حال ہے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے مہربان ہیں کہ ہماری مری، لنگڑی، لولی، اندھی، کانی اور گلی سڑی چیز بھی قبول فرما لیتے ہیں اس پر بھی اجر عطا فرما دیتے ہیں لیکن اس کا ایسا ثواب کہاں؟ جیسا ثواب اپنی من پسند چیز اللہ کے راستے میں دینے میں ہے اسی طرح جب کھانا بچ گیا اور خراب ہونے لگا تو کہیں گے ارے بھئی! جلدی

سے کہیں دیدو، جو کپڑا پہن پہن کر ہمارا من بھر گیا، اب پہننے بھی نہیں جا رہے، پھٹ بھی نہیں رہے تو کہا جائے گا ارے بھئی! چلو خیرات کر دو، خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز بالکل خراب، ناکارہ اور بے کار ہو جاتی ہے، وہ صدقہ میں دی جاتی ہے، اور ہدیہ میں جو اپنی پسند کی ہوتی ہے اپنے ذہن میں آیا کہ بھئی کیک بڑا اچھا رہے گا، مٹھائی کا ڈبہ اچھا رہے گا، روح افزا کی بوتل ٹھیک رہے گی، اس بے چارے کو آٹے کی ضرورت تھی لہٰذا اس کا ادب یہ ہے کہ جس کو ہدیہ دینا ہو تنہائی میں اس سے پوچھ لو کہ میں تمہیں اتنے پیسوں کی حد تک ایک ہدیہ دینا چاہتا ہوں لہٰذا تم بتاؤ کہ تمہیں کیا چیز لا دوں؟ پھر وہ جو کچھ بتادے وہ دے دو۔

صدقہ اور ہدیہ دینے کی ایک اعلیٰ اور آسان صورت

اگر کسی سے اس طرح پوچھنا مشکل ہو تو پھر ایک آسان ترکیب ایسی ہے کہ جو صدقے میں بھی کارگر، ہدیئے میں بھی کارگر، اور دونوں ہی میں اعلیٰ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نقد پیسے دے دو کیونکہ نوٹ تو سب کو سب سے اچھے لگتے ہیں، پیسے تو سب ہی کو من پسند ہیں اگر فقیر کو دو گے تو وہ کہے گا سبحان اللہ، سبحان اللہ اور ہیں تو دے دو، اور ہدیئے میں جس کو دو گے وہ بھی خوشی خوشی لے لے گا اور اس سے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لے گا۔

خلاصۂ بیان

بہر حال بھئی! قرآن وحدیث ہم سے یہ کہتے ہیں کہ صلۂ رحمی کرنا، رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اچھا برتاؤ کرنا بڑی فضیلت کی چیز ہے، ضروری اور لازم ہے اور ساتھ ساتھ یہ کہ رشتے داروں کی طرف سے، عزیزوں کی طرف سے اگر ناگواریاں پیش آئیں، تکلیفیں پیش آئیں تو سہنا بڑی چیز ہے، ان کو معاف کر دینا، درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے، اپنے کرم سے ہمیشہ حسنِ سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے، صلہ رحمی کرنے کی ہمیشہ توفیق دے، قطع رحمی سے، قطع تعلقی سے اور بدسلوکی سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، حسنِ سلوک اور صلہ رحمی پر جو اجر وثواب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہ ہمیں عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥

میاں بیوی کے حقوق

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میاں بیوی کے حقوق

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیآت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمد عبدہ و رسولہ صلی اللّٰہ علیہ و علی الہ واصحابہ و بارک و سلم تسلیما کثیراً کثیرا اما بعد،

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ط (صدق اللّٰہ العظیم)

میرے قابلِ احترام بزرگو اور معزز خواتین!

اللہ جل شانہ نے ہمارے دین میں دو قسم کے حقوق مقرر فرمائے ہیں۔

دو قسم کے حقوق اور ان کی ادائیگی کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں فرائض و واجبات ہیں اور حرام و ناجائز امور ہیں، بندوں کے حقوق میں بھی فرائض و واجبات ہیں، سنن و مستحبات ہیں اور حرام اور ناجائز امور بھی ہیں، ہمارے دین و ایمان کا ہم سے مطالبہ ہے کہ ہم دونوں قسم کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کریں، اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی تازندگی ادا کرتے رہیں اور بندوں کے حقوق بھی تازندگی ادا کرتے رہیں اور ان حقوق میں سے اگر کسی میں کمی کوتاہی ہوجائے تو شریعت کے مطابق اس کی معافی تلافی کا جو طریقہ مقرر ہے مرنے سے پہلے پہلے اس کے مطابق معافی تلافی کرلیں، کوشش کریں کہ دنیا سے اس حال میں جائیں کہ کسی بندے کا کوئی حق ہمارے ذمے باقی نہ ہو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ہمارے ذمے باقی نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دونوں قسم کے حقوق کی ادائیگی کی دعا کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ ضرور کامیابی ہوگی۔ اور اصل کامیابی مسلمان مرد و عورت کی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرے۔

بندوں کے حقوق کی اہمیت زیادہ کیوں ہے؟

پھر ان دونوں قسم کے حقوق میں بندوں کے حقوق کی اہمیت زیادہ

ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور غنی ہیں رحمٰن و رحیم ہیں، رحیم الرحماء ہیں اور کریم الکرماء ہیں اپنے بندوں پر بہت زیادہ شفقت فرمانے والے ہیں، رحمت فرمانے والے ہیں اس لئے اگر کسی سے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی ہو جائے تو معافی کی قوی امید ہے، اس کا معاملہ بہت آسان ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جبکہ بندہ عاجز اور بے نوا ہے، تنگدل اور بخیل ہے اس کے لئے اس کے حقوق میں کوتاہی اور غفلت کی معافی کی بہت کم امید ہے، دنیا میں تو پھر بھی آسان ہے لیکن آخرت میں بہت مشکل ہے یعنی دنیا میں کسی بندے کو ستایا، پریشان، کیا اس کا کوئی جانی مالی نقصان کردیا تو آخرت کے لحاظ سے یہ بہت زیادہ خطرناک اور سنگین ہے، اگر کوئی بغیر معافی تلافی کے دنیا سے چلا گیا تو آخرت میں اس حق کی معافی نہایت مشکل ہے اور دنیا میں بھی اس اعتبار سے دشوار ہے کہ بندے کی حق تلفی کرنے کی وجہ سے اس نے دو غلطیاں کیں ایک اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ تم کسی انسان کی حق تلفی نہ کرنا، کسی کے ساتھ زیادتی مت کرنا، کسی پر ظلم نہ کرنا، کسی کو پریشان نہ کرنا جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنا، جب اس نے نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور ساتھ ساتھ اس بندے کا حق ادا نہ کر کے اس بندے پر ظلم کیا تو اب اگر یہ توبہ کرے گا تو اس کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی جو خلاف ورزی ہوئی اس کی تو معافی ہو جائے گی، لیکن بندے کی جو حق تلفی ہوئی ہے اس کے لحاظ

ہے توبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک یہ بندہ معاف نہ کردے یا یہ اس کا حق ادا نہ کردے، یا تو یہ اس بندے کا حق ادا کرے اگر حق ادا نہ کرے تو پھر اس سے معافی مانگے تو جب تک معافی نہیں مانگے گا توبہ مکمل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں جو کوتاہی ہے اس کا تو یہ طریقہ ہے کہ صدق دل سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں۔لیکن بندے کی حق تلفی کے اندر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ بندے کا حق ادا کرنا یا اس سے معافی مانگنا ضروری ہے،اس کے بغیر توبہ مکمل نہیں ہوتی۔

حقوق العباد میں کوتاہی کی سنگینی

حقوق العباد کی ادائیگی قدرے مشکل ہے اور آخرت میں بہت ہی زیادہ سنگین ہے،وہ سنگین اس لئے ہے کہ حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ نے تفسیر قرطبی میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس ستر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت ہولیکن اس نے کسی انسان کی حق تلفی کررکھی ہو،کسی پر اس نے ظلم کیا ہو یا اس کا کوئی جانی مالی حق غصب کیا ہوتو جب تک وہ اس بندے کا یہ حق ادا نہیں کرے گا یا اس سے معافی نہیں مانگے گا ستر انبیاء علیہم السلام کی عبادت اسے جنت میں داخل نہیں کرے گی،جب اتنی بڑی عبادت بھی اس کے پاس موجود ہے اس کے باوجود کسی انسان کی حق تلفی کرنے کا وبال یہ ہے کہ وہ

جنت میں نہیں جا سکتا پہلے اس کی معافی تلافی ہوگی، سزا بھگتنی ہوگی تو سزا بھگتے گا یا جب وہ بندہ معاف کر دے گا تو معافی ہو جائے گی اس کے بعد ہی جنت میں جا سکتا ہے ورنہ نہیں جا سکتا، آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ آخرت کے اعتبار سے بندے کے حقوق میں کوتاہی کس قدر خطرناک ہے۔

ایک دانق حق مارنے کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی

حضرت امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ قیامت کے دن اگر کسی نے دنیا میں کسی کا مالی حق ایک دانق کے برابر مارا ہوگا یعنی ناحق کسی کا مال، کسی کا روپیہ یا پیسہ ایک دانق کے برابر غصب کیا ہوگا، چھینا ہوگا، کھایا ہوگا تو اس کے بدلے میں اسے قیامت کے دن سات سو مقبول نمازیں ادا کرنی پڑیں گی اور ایک دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے، اور ایک درہم ساڑھے چار ماشہ چاندی کا ہوتا ہے، تو ساڑھے چار ماشہ چاندی کے چھ حصے کریں ان میں سے ایک حصہ ایک دانق ہوتا ہے، یوں سمجھیں کہ اگر چھ پیسے ہوں تو ایک پیسہ، اور اس کی قیمت آج کل بہت سے بہت پندرہ بیس روپے ہوگی یہ بھی میں زیادہ کہہ رہا ہوں دس روپے کہنا چاہیے تو اگر کسی انسان نے کسی دوسرے انسان کا صرف دس روپے کے برابر نقصان کر دیا، چھین لیا، اس کی امانت

میں خیانت کر دی، کسی طرح اس نے اس کے یہ دس روپے کھالئے، ہڑپ کر لئے، تو یا تو دنیا میں ادا کر دے اور اس کی وجہ سے جو تکلیف پہنچی معافی مانگ لے لیکن اگر اس نے ایسا نہیں کیا اور بغیر معافی تلافی کے دنیا سے چلا گیا تو آخرت میں اس کو دس روپے کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی۔

بندوں کے اعمال کے تین رجسٹر

ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حساب کتاب لیں گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تین رجسٹر ہوں گے ایک رجسٹر تو ایسا ہوگا کہ اس میں بندے کے متعلق جو کچھ لکھا ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی رعایت نہیں کریں گے، اور اس سلسلے میں ہرگز معاف نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے کہ ہمارا نام اس میں درج ہو (آمین) اور دوسرے رجسٹر کے بارے میں حق تعالیٰ کی جانب سے یہ معاملہ ہوگا کہ چاہیں گے تو معاف فرمادیں گے چاہیں گے تو بدلہ لے لیں گے۔ اور تیسرا رجسٹر ایسا ہوگا کہ اس میں بندوں کی بداعمالیاں، کوتاہیاں اور غفلتیں لکھی ہوں گی، اس کے اندر اللہ تعالیٰ ادلا بدلا کروائیں گے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ معافی فرمائیں گے بلکہ جس جس کی طرف سے کوتاہی ہوگی اس کا بدلہ دلوائیں گے۔

پہلا رجسٹر

ان میں سے جو پہلا رجسٹر ہوگا اس میں بندوں کا کفر و شرک لکھا ہوگا

دنیا میں جس بندے نے، جس بندی نے کفر وشرک کیا ہوگا العیاذ باللہ کفر و شرک کیا ہوگا اور کافرانہ اور مشرکانہ زندگی گزاری ہوگی جیسے دنیا کے ہزاروں کافر اور مشرک ہیں، اُس رجسٹر میں ان کے نام درج ہوں گے ان کے ساتھ رعایت نہیں ہوگی، ہرگز ان کے ساتھ معافی تلافی کا معاملہ نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے العیاذ باللہ۔

دوسرا رجسٹر

ان میں سے جو دوسرا رجسٹر وہ ہوگا جس میں بندے کی وہ کوتاہیاں درج ہوگی جو اس نے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کی ہوں گی جیسے کسی نے نماز نہیں پڑھی تو اس میں لکھا ہوگا کہ فلاں شخص نے نمازیں چھوڑی، سو چھوڑیں، ہزار چھوڑیں یا بالکل نہیں پڑھیں۔ روزے فرض تھے روزے نہیں رکھے، حج نہیں کیا، اس میں حج نہ کرنے کی کوتاہی لکھی ہوگی، اس قسم کے حقوق اس کے اندر لکھے ہوں گے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہوگا کہ وہ چاہیں گے تو بندوں سے مؤاخذہ فرمائیں گے چنانچہ نماز نہ پڑھنے پر سزا دیں گے، زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب دیں گے، حج نہ کرنے پر سزا دیں گے اسی طرح دیگر حقوق وفرائض جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے ان کے ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو مؤاخذہ فرمائیں گے اور چاہیں گے تو اپنی رحمت سے

معاف فرمادیں گے۔

تیسرا رجسٹر

تیسرا رجسٹر وہ ہوگا جس میں بندوں کے حقوق کی کوتاہیاں لکھی ہوئی ہوں گی، کسی نے کسی کو گالی بکی، کسی نے کسی پر تہمت لگائی، کسی نے کسی پر ظلم کیا، کسی نے کسی کی زمین غصب کر لی، کسی نے کسی کا مکان قبضے میں لے لیا، کسی نے کسی پیسے چرا لئے، کسی نے کسی کی دکان یا مکان پر ڈاکہ ڈالا اور پیسے اور مال چھین لیا، کسی نے کسی کو ناحق مارا، کسی نے کسی کی ناحق بے عزتی کر دی، طعن و تشنیع کی اور دل دکھادیا، یہ بندوں کی حق تلفیاں ہیں۔ ان سب باتوں سے بچنا فرض ہے، ان کا کرنا حرام و ناجائز ہے، یہ ساری کوتاہیاں اور غفلتیں اس تیسرے قسم کے رجسٹر میں درج ہوں گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا عام قاعدہ اور دستور یہ ہوگا کہ وہ مظلوم کو ظالم سے حق دلوائیں گے۔ اس لئے بندوں کے حقوق کی کوتاہی آخرت کے اعتبار سے بڑی سنگین ہے۔

میاں بیوی کے حقوق کی اہمیت

بندوں کے حقوق میں میاں بیوی کے جو حقوق ہیں وہ اور زیادہ اہم ہیں ان کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہونا اور زیادہ ضروری ہے اور اس میں کوتاہی تو ہوگی غفلت والا پرواہی تو ہوگی لیکن اس کی معافی تلافی دنیا ہی میں مرنے

سے پہلے کر لینا نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ یہ کوتاہی آخرت کے اعتبار سے اور زیادہ سنگین ہے، اور اس کی طرف عام طور پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے، مردوں کو بھی توجہ بہت کم ہوتی ہے اور عورتوں کو بھی اس کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے۔

میاں بیوی کے حقوق میں کوتاہی کیوں ہوتی ہے؟

میاں بیوی کے حقوق میں کوتاہی کی کئی وجہ ہیں ایک وجہ یہ کہ اس طرف دھیان ہی نہیں ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے چاہئیں، کہ واقعی ہمارے دین میں ایک دوسرے کے حقوق ہیں ان کو ادا کرنا چاہئے، اور ادا کر کے فکر سے زندگی گزارنی چاہئے اس طرف توجہ ہی نہیں ہے کیونکہ علم ہی نہیں، جب علم ہی نہیں تو کیا ادا کریں گے۔

نمبر دو اہمیت نہیں، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ میاں بیوی میں بے تکلفی بہت ہوتی ہے، ایسی بے تکلفی ہوتی ہے کہ کسی اور رشتے میں وہ بے تکلفی نہیں ہے، اس بے تکلفی کی وجہ سے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی فکر نہیں ہوتی، اس طرف توجہ نہیں ہوتی دھیان نہیں جاتا، اور یہ بے فکری اور بے دھیانی سخت مضر ہے، سخت نقصان دہ ہے۔

ایک وجہ ہے یہ بھی ہے کہ لوگ اس کو دین کا حصہ نہیں سمجھتے، اللہ

بجائے عرصۂ دراز سے بعض لوگوں میں بلکہ بعض دینداروں میں بھی جو نماز کے پابند ہیں، زکوٰۃ کے پابند ہیں، صدقہ خیرات بھی بہت کرتے ہیں، نفلی عبادت کے بھی بڑے پابند ہیں، تہجد گزار ہیں، اشراق چاشت پڑھنے والے ہیں، قائم الیل اور اور صائم النہار ہیں بڑے عابد و زاہد ہیں، تکبیر اولیٰ اور صف اول کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، لیکن گھریلو زندگی میں شوہر بیوی کے ساتھ بد اخلاقی اور ظلم وستم کے اندر مبتلاء ہے، اور ایسے ہی بیوی باوجود عابدہ زاہدہ ہونے کے اپنے شوہر کے حق میں انتہائی ظالمہ، جابرہ، فاسقہ، نافرمان، اور اس کو طرح طرح سے ستانے والی اور پریشان کرنے والی اور بدزبان ہوتی ہے، یہ دونوں ظاہر میں تو بڑے دیندار ہیں معاشرے کے اندر مرد بھی بڑا نیک وصالح سمجھا جاتا ہے اور عورت بھی بڑی عابدہ، زاہدہ سمجھی جاتی ہے، لیکن ایک دوسرے کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی ظالمانہ، فاسقانہ، فاجرانہ اور ایذاء رسانی کا ہوتا ہے، اور یہ سمجھتے ہیں اس کا ہمارے دین کے ساتھ کیا تعلق ہے، حالانکہ جس طرح نماز روزہ اور جملہ عبادات دین ہیں بالکل اسی طرح بلکہ بعض اعتبار سے اس سے بھی زیادہ اہم میاں بیوی کے حقوق کو ادا کرنا بھی دین ہے۔ اصل دینداری یہ ہے کہ آدمی دین کے دیگر احکام کو انجام دیتے ہوئے بندوں کے حقوق بھی ادا کرے اور بالخصوص میاں بیوی کے حقوق بھی ادا کرے۔ اور میاں بیوی کے یوں تو حقوق بہت سے ہیں، لیکن سب سے

پہلے یہ ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کو جانیں، اس کے لئے الحمدللہ اردو کے اندر اچھا خاصا مواد موجود ہے، جو لوگ شادہ شدہ ہیں اور میاں بیوی ہیں ان دونوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کتابوں کو پڑھیں، اور جن کی شادی نہیں ہوئی ہونے والی ہے وہ بھی پڑھ لیں، تاکہ شروع ہی سے وہ ایک دوسرے کا حق ادا کرنے والے بنیں، جن میں سے ایک رسالہ ہے آداب زندگی، یہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ یہ حقوق پر مشتمل ہے، اس میں ایک رسالہ حقوق الاسلام ہے، اس میں بہت سے حقوق کے ساتھ ساتھ حضرت نے جانوروں تک کے حقوق تحریر فرمائے ہیں، اور ایک رسالہ حقوق الزوجین ہے یعنی میاں بیوی کے حقوق، اس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے بڑی تفصیل سے بیوی پر شوہر کے حقوق کیا ہیں، بیوی کے حقوق شوہر پر کیا ہیں، بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، یہ کتاب نہایت ہی نافع ہے اور بہت ہی مفید ہے اور یہ کتاب عام طور پر آسانی سے ملتی بھی ہے لہٰذا اس کا ہمیں مطالعہ کرنا چاہئے، اور یہ نہ سمجھیں کہ اس کا مطالعہ ہماری مرضی پر موقوف ہے جب جی چاہے کریں، جب جی چاہے نہ کریں، ہرگز نہیں، ہاں اگر کسی کو میاں بیوی کے ضروری حقوق معلوم ہیں تو اس کے لئے واقعی اس کا مطالعہ ضروری نہیں، لیکن جس کو حقوق معلوم نہیں ہیں اس کے لئے مطالعہ ضروری ہے، وجہ یہ کہ میاں پر بیوی کے اور بیوی پر شوہر کے حقوق کی

ادائیگی فرض و واجب ہے، تو اس کا ضروری علم حاصل کرنا بھی فرض و واجب ہے، اور اگر آپ مزید آسان انداز میں یہ حقوق پڑھنا چاہتے ہیں تو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے اس بارے میں دو بیان ہیں، جو جامع مسجد بیت المکرّم میں حضرت نے بیان فرمائے تھے اور وہ چھپ بھی چکے ہیں شوہر کے حقوق اور بیوی کے حقوق، یہ رسالے لے لیں اور ان کا مطالعہ کر لیں ایک دوسرے کے حقوق معلوم ہو جائیں گے۔ میں بطورِ مثال کے چند حقوق اس مختصر وقت میں انشاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا تاکہ کچھ نہ کچھ حقوق ہمیں ایک دوسرے کے معلوم ہوں اور ہم ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں، اگر کمی کوتاہی ہو چکی ہے تو مرنے سے پہلے پہلے اس کی معافی و تلافی کر لیں، لیکن ان حقوق کو بیان کرنے سے پہلے میں کچھ فضائل اور حقوق ادا نہ کرنے کا وبال آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

میاں بیوی کے آپس میں حقوق کی عدم ادائیگی پر صبر کی فضیلت

فضیلت یہ ہے کہ اپنی بیوی کی بدخلقی، نافرمانی اور شوہر کے حقوق ادا نہ کرنے پر شوہر کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے اگر وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کر لیتا ہے تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے حضرت ایوب علیہ الصلوۃ

والسلام کو بیماری کی تکلیف پر صبر کرنے کی وجہ سے ملا تھا اور اگر شوہر بیوی کی حق تلفی کرے اور اس کے صحیح حقوق کی ادائیگی نہ کرے اور بیوی شوہر کی اس بدخلقی کو اور حقوق ادا نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کرلے تو بیوی کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کو ثواب ملا تھا، حضرت آسیہ فرعون کی بیوی تھیں اور مسلمان اور مؤمنہ تھیں فرعون ان پر ظلم ڈھاتا تھا اور وہ اُس کے ظلم وستم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کرتی تھیں، اللہ پاک نے جو ثواب ان کو عطا فرمایا جس کا قرآن شریف میں تذکرہ ہے، تو ان کو ثواب کے برابر اللہ تعالیٰ اس عورت کو یہ ثواب عطا فرماتے ہیں جو صبر و تحمل سے کام لیتی ہے۔

شوہر کے حقوق ادا نہ کرنے والی عورت کے لئے ایک وعید

ایک روایت میں ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے، شوہر کے حقوق ادا نہیں کرتی، اس کو ستاتی ہے، تکلیف دیتی ہے، اپنی زبان اور طرزِ عمل سے اس کو ایذاء پہنچاتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے اسی طرح جو عورت ناحق اپنا موڈ خراب کرلیتی ہے اور شوہر سے ناراض اور خفا ہوجاتی ہے تو وہ اس وقت تک اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی کی مستحق رہتی ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ اس وقت تک ناراض رہتے ہیں جب تک وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کرلے۔ اور جو عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ناحق گھر سے نکل جائے اور والدین کے پاس یا کہیں اور چلی جائے تو واپس آنے تک برابر فرشتے اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

اور لعنت ہونا کوئی معمولی بات نہیں، لعنت کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم، اور رحمت کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایات، ان کے الطاف، ان کی مہربانیوں، ان کی کرم نوازیوں ان کی مغفرتوں کا حق دار ہوجانا۔

شوہر کے ساتھ بدزبانی کرنے کی سزا

ایک روایت میں ہے کہ جو عورت اپنے شوہر سے بدزبانی کرتی ہے، منہ ماری کرتی ہے اور اس کو اپنی زبان سے ستاتی اور پریشان کرتی ہے تو اس کو جہنم میں زبان کے بل لٹکایا جائے گا۔ ایک تو جہنم میں جانا کتنی بڑی تکلیف کی بات ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور پھر وہاں زبان سے باندھ کر جہنم میں لٹکایا جانا کتنی ایذاء اور تکلیف کی بات ہے، یہ سب عذاب اُس شوہر اور بیوی کو ہوگا جو دنیا کے اندر ایک دوسرے کی حق تلفی کرتے رہے، ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہے، ایک دوسرے پر ظلم کرتے رہے اور بغیر حق ادا کئے یا بغیر

معافی تلافی کئے دنیا سے چلے گئے۔

فرماں بردار بیوی کی فضیلت

ایک روایت میں فرماں بردار عورت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی فرماں برداری کرتی ہے اور جائز اُمور میں اس کی اطاعت شعار رہتی ہے، اس کے حقوق کی پاسداری کرتی ہے تو آسمانوں میں ملائکہ اور چاند سورج، اور ہواؤں میں پرندے اور سمندر میں مچھلیاں اللہ تعالیٰ سے اُس کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ فرشتوں کی دعا بھی، پرندوں کی دعا بھی، چاند و سورج کی دعا بھی، سمندر کی مچھلیوں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ ثواب کتنا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے پر وبال کتنا سخت ہے۔

قیامت کے دن سب سے پہلے کون سا مقدمہ پیش ہوگا؟

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ حقوق العباد کے سلسلے میں عدل و انصاف فرمائیں گے اور حقوق العباد کے مقدمات کی سماعت فرمائیں گے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے تو بندوں کے حقوق کے سلسلے میں سب سے پہلا مقدمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میاں بیوی کا پیش ہوگا۔ شوہر نے اپنی بیوی پر جو زیادتیاں کی ہوں گی، اُس کو تکلیفیں پہنچائی ہوں

گی ظلم وستم ڈھایا ہوگا، اُس کے حقوق پامال کئے ہوں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اُس کا منہ نہیں بولے گا بلکہ اُس کے اعضاء وجوارح اُس کے خلاف گواہی دیں گے اس کے ہاتھ بولیں گے اس کے پیر بولیں گے، اس کی آنکھیں بولیں گی کہ فلاں دن فلاں وقت اس نے اپنی بیوی پر یہ زیادتی کی تھی یہ ظلم کیا تھا، یہ ستایا تھا، یہ حقوق پامال کئے تھے۔ اسی طرح بیوی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگی اس نے دنیا میں اپنی زبان سے، اپنے ہاتھ، پیر سے اپنے کسی طرزِ عمل سے غرضیکہ جس طرح بھی اپنے شوہر کو ستایا ہوگا پریشان کیا ہوگا، ایذاء دی ہوگی، اس کے جانی مالی حقوق تلف کئے ہوں گے تو اس کی زبان نہیں بولے گی ان کی زبان پر تو مہر لگا دی جائے گی اس کے اعضاء و جوارح اس کے خلاف گواہی دیں گے، کہ فلاں دن اس نے شوہر کے ساتھ یہ زیادتی کی، اس کے مال میں یہ خیانت کی، اس کی عزت میں یہ خیانت کی اور یہ گناہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ بیوی سے شوہر کا حق دلوائیں گے شوہر سے بیوی کا حق دلوائیں گے اس طریقے سے اللہ تعالیٰ یہ معاملہ نمٹائیں گے۔

قیامت کے دن دیگر حقوق العباد کے مقدمات کی پیشی

بیوی اور شوہر کے مقدمات کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردوں اور عورتوں کے ماتحت جو ان کے نوکر چاکر اور خادم ہیں ان کے حقوق کے

مقدمات پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے حقوق کی ایک دوسرے کو ادائیگی کروائیں گے اور حق دلوائیں گے۔ اس کے بعد بازار میں جن کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ ہوتا تھا، لین دین ہوتا تھا اس میں ایک دوسرے کے ساتھ جو خیانتیں کی ہوں گی مثلاً کم تولا ہوگا، کم ناپا ہوگا، دھوکے بازی کی ہوگی ان حق تلفیوں کے مقدمات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کو حقوق دلوائیں گے۔ اس لئے بھئی آخرت کا معاملہ سنگین ہے، حقوق العباد کا معاملہ ہی سب سے زیادہ خطرناک ہے، اور اس میں سب سے زیادہ اہمیت میاں بیوی کے حقوق کی ہے، جو اس کو ادا کرے گا بہت زیادہ سرخرو اور اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور جو ان میں کوتاہیاں کرے گا وہ آخرت میں بہت زیادہ عذاب کا منہ دیکھے گا اللہ تعالیٰ بچائے (آمین)۔

شوہر پر بیوی کے چند حقوق

شوہر پر بیوی کے چند حقوق یہ ہیں

۱۔ بیوی کا ایک حق شوہر پر یہ ہے کہ اپنی بیوی کو شوہر گھر کے باہر والے کاموں پر مجبور نہ کرے کیونکہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا تھا، تو نکاح کے بعد آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور گھر سے

باہر کے کاموں کو انجام دینے کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقرر فرمائی، اور گھر کے کاموں کو انجام دینے کی ذمہ داری حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر مقرر فرمائی۔ لہٰذا گھر کے کاموں کو انجام دینا بیوی کی ذمہ داری ہے، اور باہر کے کاموں کو انجام دینا شوہر کی ذمہ داری ہے لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو گھر سے باہر کے کاموں پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کچھ نہیں جانتا کہاں سے راشن آئے گا، گھر کی جو ضروریات ہیں وہ کہاں سے آئیں گی، کیسے آئیں گی میں کچھ نہیں جانتا میں تم کو پیسے دیتا ہوں تم جانو تمہارا کام جانے، میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے یہ غلط ہے۔ گھر میں جن چیزوں کی ضرورت ہے شوہر کو لا کر دینا یہ بیوی کا شوہر پر حق ہے اور گھر میں جتنے کام انجام دینے ہیں ان کا انجام دینا شوہر کی ذمہ داری نہیں ہے بیوی کی ذمہ داری ہے، البتہ بیوی اگر از خود کسی چیز کو پسند کرنے کے لئے یا لینے کے لئے شوہر کے ساتھ چلی جائے تو کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ لیکن یہ اصل ذمہ داری بیوی کی نہیں ہے شوہر کی ہے۔ اگر کوئی عورت یہ چاہتی ہے کہ میں گھر میں رہوں، گھر کے کاموں کو میں انجام دوں، باہر کے کاموں کو شوہر انجام دے تو درست ہے لہٰذا شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہر کے کاموں کو سرانجام دے، اگر وہ کوتاہی کرے گا اور بیوی کو ناحق گھر سے باہر جانے اور باہر سے سودا سلف خرید کر لانے پر مجبور کرے گا تو یہ بیوی کی حق تلفی کا مرتکب ہوگا اور

گناہ گار ہوگا۔

۲۔ دوسرا حق بیوی کا شوہر پر یہ ہے کہ شوہر بیوی کے نان ونفقہ اور رہائش کا حسب استطاعت مالِ حلال سے خوش دلی کے ساتھ انتظام کرے، اور اہتمام کرے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ جتنی بھی اس کی آمدنی ہے اس کے مطابق اپنی بیوی کے لئے کھانے، پینے، پہننے اور رہنے کا خوش دلی کے ساتھ انتظام کرے۔

۳۔ تیسرا حق یہ ہے کہ اپنی بیوی کو دین کے ضروری مسائل سے واقف کرے، آگاہ کرے اس لئے کہ عورتوں کو اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھر میں رہیں، دنیاوی امور تو دنیاوی ہیں، دینی امور کے لئے بھی اس کو اصل حکم یہ نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے، اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھر میں رہے اور جس قدر اس کو دینی امور کی ضرورت ہے شوہر گھر آ کر اس کی ضرورت کو پورا کرے، جس کا پہلے زمانے میں عام طریقہ یہ ہوتا تھا کہ شوہر علماء سے زبانی معلوم کرتا اور بیوی کو آ کر بتا دیتا تھا یا جو کوئی بھی دین کی بات کسی نیک مجلس میں، نیک محفل میں سنتا وہ آ کر اپنی بیوی کو بتا دیتا تھا، اور یہ بھی ہوتا تھا کہ اس کو دین کی کچھ کتابیں لاکر دے دیتا کہ اگر وہ پڑھنا جانتی ہے تو خود ان کا مطالعہ کرلے، یہ طریقہ آج بھی الحمدللہ بآسانی ہوسکتا ہے کہ گھر کے اندر بیوی کی جو دینی ضروریات اور دینی احکام ہیں شوہر اس میں ذرہ برابر غفلت نہ

کرے، اس کو اگر کسی مسئلے پر عمل کرنا ہے کسی بات پر عمل پیرا ہونا ہے تو شوہر نہیں کہہ سکتا کہ میں نہیں جانتا تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ بلکہ بیوی کا شوہر پر بڑا اہم حق یہ ہے کہ وہ جا کر علماء سے ملے اور مسئلہ پوچھ کر اس کو بتائے۔ آج کل الحمد للہ اس حق کو ادا کرنے کی بڑی سہولت ہے، اس کی ایک آسان صورت یہ بھی ہے کہ علماء کی، صلحاء کی، اولیاء کی کیسٹیں لی جائیں اور اپنے گھر والوں کو سنائی جائیں۔ اردو میں ان کے مواعظ دیگر دینی رسائل اور مسائل پر مشتمل رسائل آسان اردو میں بہت زیادہ میسر ہیں وہ اپنے گھر والوں کو پہنچادیں، وہ ان کا مطالعہ کرلیں، جو نہ پڑھنا جانتی ہوں ان کو پڑھ کر سنا دیں۔ دینی محفلیں، دینی مجلسیں بھی ہوتی رہتی ہیں جن میں سے بعض کے اندر خواتین کے لئے پردے کے ساتھ بیٹھنے کا انتظام بھی ہوتا ہے جس طرح شوہر خود جائے اسی طرح اپنی خواتین کو بھی لے جائے، اپنی بیوی کو بھی لے جائے اور خود بھی سنے اور ان کو بھی سنوائے، یہ صورت بھی بہت نافع اور مفید ہے کیونکہ شوہر کی بات میں وہ اثر نہیں ہوتا جو دوسروں کی بات سننے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں غفلت نہ کرے، اس میں کوتاہی نہ کرے بہت سے لوگ اس میں غفلت اور کوتاہی کرتے ہیں۔

۴۔ ایک حق بیوی کا یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر والوں کی خدمت پر مجبور نہ کرے، بیوی پر ساس کی، سسر کی، دیور، جیٹھ کی اور نندوں کی خدمت

واجب نہیں ہے، دوسرے رشتہ داروں کی بھی خدمت اُس کے ذمے واجب نہیں ہے، اپنے شوہر کی خدمت تو اس کے ذمے ضروری ہے لیکن شوہر کے جو رشتے دار ہیں ان کی خدمت اس کے ذمے واجب نہیں ہے، اگر وہ اپنی خوشی سے کرے تو یہ اس کا احسان ہے نہ کرے تو کوئی زور زبردستی نہیں ہوسکتی، لیکن آپ دیکھئے! آج گھر گھر میں جھگڑا اسی کا ہی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ بیوی ہمارے گھر کی باندی ہے، ماسی ہے، نوکرانی اور خادمہ ہے، اس کے ذمے شوہر کی بھی ہر خدمت ضروری ہے، حالانکہ شوہر کی بھی ہر خدمت اس کے ذمے واجب نہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سارے گھر والوں کی اس کے اوپر ذمہ داری ہے ان کے کپڑے بھی دھوئے ان کے برتن دھوئے ان کے کمرے بھی صاف کرے یہ بھی کرے وہ بھی کرے، اس کو لازم سمجھا جاتا ہے بصورت دیگر لڑائی جھگڑا اور فساد ہوتا ہے۔ یہ بالکل ناجائز ہے'' اللہ تعالیٰ بچائے'' یہ سراسر حق تلفی ہے اور اس سلسلہ میں شوہر ظالم اور عورت مظلومہ ہوگی اور آخرت میں اس کا بدلہ دینا ہوگا۔

۵۔اور پانچواں حق یہ ہے کہ شوہر کو صبر وتحمل سے زندگی گزارنی چاہئے اگر عورت کی طرف سے کج روی کا سامنا ہو اور ہوسکتا ہے کبھی کبھی وہ منہ بنالے، زبان درازی کر بیٹھے، نافرمانی کرے، خدمت نہ بجالائے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، ایسے موقع پر شوہر کو چاہئے کہ صبر وتحمل سے کام لے، یہ

بیوی کا شوہر پر حق ہے۔ شوہر حلم و بردباری کو اختیار کرے اور حتی الامکان اس کے ساتھ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرے اور اگر عورت کی بدخلقی، کج روی برداشت سے باہر ہو جائے تو تنبیہ بھی کر سکتا ہے اول اس کو سمجھائے، سمجھانے سے کام نہ چلے تو اعتدال کے ساتھ اس کو تنبیہ کرے اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو اس کو والدین کے یہاں بھیج دے، اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو آخری مرحلے میں مجبوراً علیحدگی اختیار کر لے، لیکن مارنے سے پرہیز کرے، اس کے ساتھ ناقابل برداشت رویہ اختیار نہ کرے۔ یہ تو بیوی کے حقوق ہیں جو شوہر کے ذمے ہیں۔

بیوی پر شوہر کے چند حقوق

بیوی پر شوہر کے چند حقوق یہ ہیں

چند حقوق شوہر کے بتاتا ہوں جو بیوی پر شوہر کے ہیں ان کی تفصیل ان کتابوں میں ملے گی جو میں نے آپ کو بتائی ہیں:۔

۱۔ ایک حق بیوی پر اپنے شوہر کا یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار بن کر رہے، تابع دار بن کر کے رہے، خدمت گزار بن کر رہنے کی کوشش کرتی رہے کہ اس کے کسی طرز عمل سے اس کے شوہر کو ناحق کوئی تکلیف نہ پہنچے، جائز امور میں اس کی تابعدار رہے، ہاں اگر شوہر ناجائز کام کرنے پر مجبور کرتا

ہے تو پھر ادب واحترام سے معذرت کرلے، مثلاً اگر شوہر کہتا ہے میں ٹی وی دیکھتا ہوں تم بھی میرے ساتھ ٹی وی دیکھو، میں فلم دیکھتا ہوں معاذ اللہ تم بھی میرے ساتھ فلم دیکھو، یا شوہر کہتا ہے تم میرے ساتھ بے پردہ چلو، یا میرے بھائیوں سے پردہ مت کرو، میرے رشتہ دار تو گھر کے اندر آئیں گے، تم اُن سے پردہ مت کرنا ان کے سامنے بے پردہ آنا، تو یہ حدیث شریف میں ہے: سب حرام و ناجائز کام ہیں۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ .

(مشکوۃ المصابیح)

ترجمہ

''تابعداری کرنا جس میں خالق کی نافرمانی ہو جائز نہیں''۔

نہ کو اپنے شوہر کی اطاعت جائز، نہ مرید کو اپنے پیر کی اطاعت جائز، نہ شاگرد کو اپنے اُستاد کا کہنا ماننا جائز ہے۔ ہاں جائز امور میں اگر شوہر کہے تو بیوی پر واجب ہے کہ اس کا حکم مانے اس کی تابعداری کرے بصورتِ دیگر وہ عذاب اور وبال ہے جو بھی میں نے آپ کے سامنے تھوڑا سا ذکر کیا۔

۲۔ اور دوسرا حق یہ ہے کہ شوہر سے اس کی مالی حیثیت سے بڑھ کر نان ونفقہ، دیگر ضروریات کا مطالبہ نہ کرے، اور اس کی مالی حیثیت سے بڑھ

کر کھانے کا، پینے کا، رہنے کا مطالبہ نہ کرے، اس لئے کہ اس سے زیادہ شوہر پر واجب ہی نہیں ہے، اگر بیوی شوہر کو مجبور کرے گی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ قرض لے کر اس کی ضروریات پوری کرے گا، اس کو قرض لینے پر مجبور کرنا درست نہیں یا پھر وہ حرام و ناجائز ذرائع تلاش کرے گا، رشوت لے گا، سود کھائے گا، سود لے گا یا ڈاکہ ڈالے گا یا چوری کرے گا، یا اور کسی طریقے سے مال حاصل کرے گا بہر حال جب اس کی حلال آمدنی کافی نہ ہوگی تو بیوی کے مطالبات پورے کرنے کے لئے بالآخر وہ حرام و ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہوگا ایسا کرنے کی وجہ سے بیوی گناہ گار ہوگی کہ اس نے شوہر کی حق تلفی کی لہٰذا اس کا یہ مطالبہ ناجائز اور غلط ہے شوہر کی جتنی آمدنی ہے اس کی حد تک وہ اپنا حق طلب کرسکتی ہے اس سے زیادہ شوہر کو مجبور کرنا جائز نہیں۔

۳۔ تیسرا حق یہ ہے کہ شوہر کا جو مال اس کے پاس ہے بلکہ یوں سمجھیں سارا گھر اس کے قبضے میں ہے اور گھر کے اندر شوہر کی ملکیت میں جو کچھ بھی ہے چاہے وہ فرنیچر ہو، چاہے وہ بستر اور تکیے ہوں، چاہے باورچی خانے کا ساز و سامان ہو، چاہے قالین فرش اور پردے ہوں، یا روپے پیسہ، سونا، چاندی ہو جو کچھ بھی گھر کے اندر ہے وہ سب بیوی کے پاس امانت ہے، بیوی پر واجب ہے کہ ان سب کی امانت کی طرح حفاظت کرے ان کو ضائع

اور برباد ہونے سے بچائے، شوہر کی اجازت کے بغیر نہ صدقہ کرے، نہ خیرات کرے اور نہ ہی اپنے رشتہ داروں کو ہدیہ تحفہ دے، اگر دینا ہے تو شوہر سے اجازت لے کر دے۔ اب چاہے شوہر کی طرف سے صراحۃً اجازت ہو یا دلالۃً اجازت، بعض مرتبہ بیوی کو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چیز دوں گی تو میرا شوہر ناراض نہیں ہوگا بلکہ راضی ہوگا خوش ہوگا تو دلالۃً ایسی بھی کافی ہے، اور اگر زیادہ مقدار میں کوئی چیز دینی ہے تو عام طور پر اس میں شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، اس کی صریح اجازت کے بغیر نہیں دینا چاہیے، اگر کوئی عورت دے گی تو خیانت کی مرتکب ہوگی۔

شوہر کے مال کے بارے میں بیوی کی دو کوتاہیاں

اب یہاں عورتوں سے دو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک کوتاہی تو یہ ہے کہ بعض عورتیں چپکے چپکے شوہر کے پیسے اور اس کی قیمتی اشیاء یا دیگر چیزیں بغیر پوچھے اپنے بہن بھائیوں کو، اپنے رشتے داروں کو، عزیزوں کو دیتی رہتی ہیں اس طرح وہ شوہر کے گھر میں جھاڑو پھیرتی رہتی ہیں اور اپنے میکے والوں کو نوازتی رہتی ہیں، شوہر اگر اس بارے میں کچھ کہتا ہے تو ناراض ہو جاتی ہیں، خفا ہو جاتی ہیں، لڑائی ہو جاتی ہے، ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے، یاد رکھیں یہ ایسی کوتاہی ہے جو بالکل حرام اور ناجائز ہے۔ اور دوسری کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ

اگر شوہر اپنے بہن، بھائیوں کو اپنے ماں، باپ کو اپنے رشتہ داروں کو اپنے ذاتی مال میں سے کوئی ہدیہ تحفہ دینا چاہتا ہے تو عموماً عورتیں خفا اور ناراض ہوجاتی ہیں، بہت کم عورتیں ایسی ہیں جو شوہر کے رشتہ داروں کو، گھر والوں کو دینے پر دل و جان سے راضی ہوں، بہت کم ایسی ہوتی ہیں، اکثر و بیشتر عورتیں نہ صرف یہ کہ ناراض بلکہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہوجاتی ہیں ویسے ہی عام طور پر ان کی شوہر کے رشتے داروں سے لڑائی رہتی ہے، جھگڑا رہتا ہے اور ذرا سی دیر کے لئے بھی وہ ان کو برداشت نہیں کرسکتیں، جو غلط ہے، ناجائز ہے، شوہر اپنے مال میں سے کسی بھی موقع پر اپنے بہن بھائیوں کو تحفہ دینا چاہتا ہے یا ہدیہ دینا چاہتا ہے یا پیسے دینا چاہتا ہے، تو بعض عورت اس کے اوپر اتنی خفا ہوتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں شوہر اس کے ساتھ لڑائی کرتا ہے یا پھر خاموش ہوجاتا ہے، یاد رکھو یہ ظلم ہے، زیادتی ہے، ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ اول تو شوہر اپنے پیسوں سے دے رہا ہے، اس میں ناراضگی کی کیا وجہ ہے، جس طرح بیوی کو اپنے مال میں ہر جائز تصرف کا اختیار ہے، اسی طرح شوہر کو بھی اپنے مال میں ہر جائز تصرف کا اختیار ہے اور یاد رکھو شوہر کو بیوی کے نیک کاموں کے اندر اس کا معین اور مددگار رہنا چاہئے رکاوٹ نہیں بننا چاہئے، بالکل اسی طرح بیوی کو شوہر کے نیک کاموں میں معین اور مددگار بن کر رہنا چاہیے نہ کہ رکاوٹ بننا چاہئے، یہاں عورتیں رکاوٹ بنتی ہیں جو

سراسر زیادتی کی بات ہے، ظلم کی بات ہے، اور موجب لعنت ہے اور باعث عذاب ہے، اس لئے کہ اس میں ایک تو شوہر کی نافرمانی ہے اس پر مزید زبان درازی پھر مزید برمزید اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، اور اس کا یہ ہدیہ تحفہ جو وہ خوش دلی کے ساتھ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو دینا چاہتا ہے یہ اس میں رکاوٹ بنتی ہیں، ہاں ایک صورت میں بیشک یہ بات قابلِ اعتراض ہوسکتی ہے کہ بیوی کا واجب حق ادا نہیں کرتا، اپنے بچوں کا واجب حق ادا نہیں کرتا، سب کچھ اپنے والدین کو، بہن بھائیوں کو دیتا رہتا ہے، اس بیچاری کو محروم رکھتا ہے نہ کھانے کو دیتا ہے، نہ پینے کو دیتا ہے، نہ پہننے کو دیتا ہے اور نہ کوئی سہولت دیتا ہے اس طرح اس کے حقوق پامال کر کے اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرتا ہے، تو بلاشبہ شوہر اس میں غلطی پر ہے، اور شوہر اس صورت میں ظالم ہے، بیوی مظلومہ ہے لیکن ایسا کم ہوتا ہے، شوہر یہ چاہتا ہے کہ میرے گھر والوں کو بھی ہدیہ تحفہ ملے تو وہ بیچارہ چپکے چپکے دیتا ہے کہ بیوی کو پتہ نہ چلے، اگر پتہ چل جائے تو پھر گھر میں قیامت ہے، پھر جینا دوبھر ہے اور گھر میں رہنا مشکل ہے یہ بڑی خطرناک بات ہے العیاذ باللہ۔ اسی طرح بعض عورتیں گھر کے سامان اور قیمتی چیزوں ان کے بارے میں انتہائی لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی ہیں، وہ چیزیں رکھی ہیں تو صفائی کا اہتمام نہیں ہے ان کو احتیاط سے رکھنے کا اہتمام نہیں وہ گل رہی ہیں تو گلنے دیں سڑ رہی ہیں تو سڑنے دیں

ان کو یونہی چھوڑ دیتی ہیں، یہ بھی شوہر کے مال میں کوتاہی ہے اس لئے کہ سارا مال بیوی کے پاس امانت ہے امانت کی حفاظت کرنا ضروری ہے اس طرح امانت کو ضائع کرنا امانت میں ایک طرف خیانت ہے جو شوہر کی حق تلفی ہے۔

۴۔ چوتھا حق شوہر کا بیوی پر یہ ہے کہ عورت سے جہاں تک ہو سکے اپنے شوہر کے گھر والوں مثلاً شوہر کے والدین جن کو ساس، سسر کہتے ہیں، شوہر کے بہن بھائی اور دوسرے رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ان کی خدمت اگرچہ اس کے ذمے واجب نہیں ہے لیکن ازراہ ہمدردی ازراہ خیر خواہی اگر یہ ان کی خدمت کرے یا ان کے کام آجائے تو باعث اجر ہے، باعث خوش اخلاقی ہے یہ میاں بیوی کی زندگی کے خوش گوار بنانے کا باعث ہے بشرطیکہ اس کے ماں، باپ، بہن، بھائی ناحق اس پر ظلم نہ کریں، اس کے ساتھ زیادتی نہ کریں، اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کریں، اگر ان کا رویہ اچھا ہے تو بیوی کو بھی چاہیے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اگر یہ ان کی خدمت کرے گی اور ان کے کام آئے گی تو اجر و ثواب ملے گا نہیں کرے گی تو اس کے ذمے کوئی واجب نہیں ہے اور شوہر کو بھی چاہیے کہ بیوی اور اس کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور بیوی کو بھی چاہیے کہ شوہر کے اور اس کے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھے، اب دیکھیے ؟! یہ ایسے حقوق ہیں کہ اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا

کرے اور بیوی شوہر کے حقوق ادا کرے تو گھر جنت کا نمونہ بن جائے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں یہ شعر بہت آتا ہے:

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

ترجمہ: بہشت اسے کہتے ہیں جہاں کوئی تکلیف نہ ہو اور کسی کو کسی سے کوئی حاجت اور ضرورت نہ ہو سب ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں اور کسی کو کسی ایذاء اور تکلیف نہ پہنچے۔

تو دیکھئے ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے دنیا کا گھر سکون کا گھر بن جائے گا، عافیت کا گھر بن جائے گا، راحت کا گھر بن جائے، جنت کا نمونہ بن جائے گا اور ایک دوسرے کا حق ادا نہ کرنے سے گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے وہاں سکون نہیں ہوتا وہاں عافیت نہیں ہوتی، وہاں راحت نہیں ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ بچائے تکلیف ہی تکلیف ہوتی ہے، جب دنیا ہی کا گھر جہنم کا نمونہ ہے تو بھئی قبر میں کیا حال ہوگا اور آخرت میں کیا انجام ہوگا۔ ایک واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے مگر غالباً وقت ہو گیا ہے سنا دوں بھئی! آپ لوگ تھک تو نہیں گئے؟

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کا واقعہ حضرت مولانا رومی رحمہ

اللہ نے مثنوی میں بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ،حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ کے بڑے ولی گزرے ہیں ایک آدمی بہت طویل سفر طے کر کے خرقان حضرت کی خدمت میں بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوا جس وقت وہ پہنچا حضرت گھر پر موجود نہیں تھے یہ ان کے گھر گیا اور جا کر دستک دی تو گھر والوں نے پوچھا کون؟ اس نے کہا کہ میں فلاں جگہ سے بڑا طویل سفر کر کے حضرت والا سے ملنے اور ان کی خدمت میں رہ کر اپنی اصلاح کرانے اور بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ بیوی نے کہا ارے کم بخت! اس مقصد کے لئے تو کس کے پاس آیا ہے؟ میں تو رات دن اس کے ساتھ رہتی ہوں وہ تو بالکل مکار اور بناوٹی پیر ہے، تیرے پاس عقل بھی نہیں، پہلے کم از کم مجھ سے پوچھ تو لیا ہوتا، مجھ سے زیادہ ان کی حیثیت کون جانتا ہے، اور جناب! اس نے بڑی کھری کھری سنائیں۔ اس بیچارے کا دل ٹوٹ گیا کہ میں ہزاروں میل کا سفر کر کے آیا میرا سارا سفر کھوٹا ہو گیا، اور وہ بیچارہ بڑا ہی رنجیدہ افسردہ ہو کر دروازے سے لوٹا۔ تو محلے کے لوگ اسے ملے تو انہوں نے کہا ارے بھئی! دیکھو تم ان کی بیوی کی جلی کٹی باتوں کی وجہ سے کوئی اثر مت لینا، یہ تو تیز مزاج عورت ہے، بدخلق ہے ان کی تو یہی عادت ہے، حضرت اپنی جگہ بالکل پیر برحق ہیں اللہ تعالیٰ کے کامل ولی اور شیخ کامل ہیں تم گھبراؤ نہیں اور حضرت سے ضرور ملو۔ ابھی وہ ان سے باتیں کر کے فارغ ہی

ہوا تھا اور حضرت سے ملنے کے لئے جنگل جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ حضرت جنگل سے واپس تشریف لا رہے تھے اور حضرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ منکشف ہوگیا تھا کہ یہ شخص مجھ سے مرید ہونے کے لئے آیا ہے اور صدق و اخلاص کے ساتھ آیا ہے لیکن میری بیوی کی جلی کٹی باتیں سن کر یہ بیچارہ متاثر اور رنجیدہ ہوگیا ہے۔ اور جیسے ہی یہ حضرت کے سامنے پہنچا تو اس نے حضرت کو اس حالت میں دیکھا کہ حضرت ببر شیر کی کمر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور سانپ کا ہنٹر حضرت کے ہاتھ میں ہے، شیر ببر کے اوپر حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی سوار ہیں اور ہاتھ شیر کو مارنے اور چال کو تیز کرنے کے لئے سانپ کا ہنٹر ہے، جیسے ہی اس نے حضرت کو دیکھا سلام کیا، حضرت بھانپ گئے فرمایا بھئی تم ہماری بیوی کی باتوں سے اپنا دل مت خراب کرنا، اپنے اعتقاد میں خلل نہ آنے دینا تم جس مقصد کے لئے آئے ہو اس مقصد پر قائم رہنا، دیکھو ہماری بیوی جیسی بھی ہے تمہارے سامنے ہے اور ان کی جو باتیں ہیں وہ تم نے سن ہی لی ہیں یہ باتیں تو ہم روزانہ سنتے ہیں، ان کا یہ رویہ ہمارے ساتھ روزمرہ کا ہے لیکن یہ یاد رکھو میں اس کی اس بدخلقی کو اس ایذاء رسانی والے طرزِ عمل کو اور ان کے ستانے کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ببر شیر کی سواری مجھ کو عطا فرمائی ہوئی ہے اور اگر شیر کہیں چلنے میں سستی کرے تو بطور ہنٹر کالا ناگ مجھے عطا فرمایا ہوا ہے اور اگر

میں اپنی بیوی کی ان باتوں کو برداشت نہ کروں تو شیر میرا وزن نہیں اٹھا سکتا اور سانپ میرے ہاتھ میں ہنٹر نہیں بن سکتا تو بھئی ہمارا جو راستہ ہے وہ صبر و تحمل کا راستہ ہے لہٰذا ہماری بیگم صاحبہ کے طرزِ عمل پر صبر کا یہ نتیجہ ہے کہ اللہ پاک نے بطور کرامت کے یہ دو چیزیں مجھے دے رکھی ہیں، اب میں جنگل میں جاتا ہوں تو پیدل چلنے کی ضرورت نہیں، میں جہاں جہاں جاتا ہوں شیر میری سواری ہوتا ہے اور جہاں مارنے کی ضرورت ہوتی ہے سانپ کا ہنٹر میرے کام آتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اللہ پاک نے اپنی مخلوق میں مجھ کو ایک عالی مقام عطا فرمایا ہے لوگ مجھے اللہ تعالیٰ کا ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں، جہاں جاتا ہوں لوگ میرے ہاتھ چومتے ہیں، جوتے سیدھے کرتے ہیں، ہر جگہ مجھ کو سب سے آگے رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے میرے نفس کے اندر کبر و عجب پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ پاک میری بیوی کے اس طرزِ عمل سے میرے اس خنّاس کا علاج فرماتے ہیں۔

بہرحال حضرت نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی بیوی کی بدخلقی پہ صبر کیا تو دنیا میں اللہ پاک نے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا اور آخرت میں نہ جانے کتنا درجہ ملا ہوگا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں بدخلقی اختیار کریں اور بدتمیزی کو اپنائیں اور شوہر کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں تاکہ ان کے شوہر کو بھی یہ مقام ملے، یاد رکھو دوسرے کو نوازنے کے لئے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنانا

جائز نہیں، ہرگز کوئی عورت ایسا طریقہ اختیار نہ کرے، لیکن خدانخواستہ اگر کسی کو بیوی ایسی جلی کٹی مل جائے تو اس کے لئے یہ واقعہ باعثِ نصیحت ہے کہ وہ ان بزرگوں کے واقعات کو سن کر یہ سوچے کہ جب اتنے بڑے بزرگ نے صبر کیا تو بھئی ہمیں بھی صبر سے کام لینا چاہئے۔ بہرحال فی الجملہ شوہر کا یہ حق ہے کہ عورت کی تکلیف دہ باتوں سے اور اس کی ایذاؤں پر حتی الامکان صبر وتحمل سے کام لے۔ تو بھئی بطور نمونے کے یہ چند حقوق تھے جو شوہر کے بیوی پر بیوی کے شوہر پر ہیں۔

دعا

بس اب دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دنیا میں ہمیں اس طرح رہنے کی توفیق دے کہ میاں بیوی کے حقوق بھی ادا ہوں اور دیگر بندوں کے حقوق بھی ادا ہوں اور اگر کہیں ہم سے کوتاہی، حق تلفی اور زیادتی ہو جائے تو مرنے سے پہلے پہلے اس کی معافی تلافی کرلیں۔ دل وجان سے دعا کرتے رہیں کہ یا اللہ دنیا سے اس حال میں اٹھانا کہ آپ کے کسی بندے کا کوئی حق میرے ذمے نہ ہو، نہ مالی، نہ زبانی، نہ بدنی۔ کسی قسم کا کوئی حق نہ ہو اور یا اللہ اگر رہ جائے تو آپ اپنے پاس سے اس کا حق ادا کر دیجئے گا اور اس کو راضی کر کے میرے لئے معافی کا انتظام فرما دیجئے گا، اور آپ کے حقوق

بھی میرے ذمے نہ ہوں اور اگر رہ جائیں اور یقین ہے کہ رہ جائیں گے تو یا اللہ آپ اپنے فضل سے معاف ہی فرما دیجئے گا اس لئے کہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور آپ رحمٰن ورحیم ہیں، (آمین)۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

☆☆☆

فضائلِ شبِ براءت

اس میں ''شبِ براءت'' کی فضیلت، اس فضیلت کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اس رات کی مروجہ رسومات کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائلِ شبِ براءت

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا ط واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له واشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى اله واصحابه وبارک وسلم تسليما كثيراً .

اما بعد !

فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ط مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ط اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوْ الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ. (الذاريات ۵۶، ۵۷، ۵۸)

(صدق الله العظيم)

میرے قابلِ احترام بزرگو! اس وقت آپ کی خدمت میں اس مہینے میں آنے والی مبارک رات جسے شب براءت کہتے ہیں اور جو ۱۵/ شعبان کی رات ہوتی ہے، اس کے فضائل کا خلاصہ اور لُبِّ لُباب سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں انشاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا۔ خلاصہ میں دو باتیں آئیں گی کچھ باتیں وہ ہیں جو کرنے کی ہوں گی اور کچھ باتیں ایسی ہوں گی جن کا تعلق نہ کرنے سے ہوگا، اور زیادہ تر یہی باتیں ہوں گی جو نہ کرنے کی ہوں گی، ہمیں ابھی سے عمل کی بات پر عمل کرنے کی نیت کر لینی چاہئے اور اس نیت سے سننا اور بیٹھنا چاہئے کہ جو باتیں کرنے کی بتائی جائیں گی حسبِ استطاعت، حسبِ قوت اور حسبِ فرصت انشا اللہ ہم ان کو کریں اور جو باتیں بچنے اور نہ کرنے کی ہیں اور گناہ کی ہیں ان سے ہم مکمل طور پر بچیں گے، اگر پہلے سے وہ گناہ اور وہ کام ہم سے ہو رہے ہیں تو ان سے ابھی سے توبہ کر کے اُٹھیں، اور اگر پہلے نہیں کئے ہیں تو یہ نیت کر لیں کہ ہم آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ تا زندگی نہیں کریں گے۔

ہمارے دین میں یہی دو قسم کی باتیں ہیں کہ فلاں فلاں کام کرو اور فلاں کاموں سے بچو، دونوں قسم کی باتوں پر عمل کرنا ہر مومن کی ذمہ داری ہے، یہ نہیں کہ کرنے کی چند باتوں پر تو عمل کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ گناہوں میں بھی ڈوبا رہے، ایسا شخص کامل مؤمن نہیں ہے اور ہمیں کامل

مؤمن بننا چاہئے اور کامل مؤمن بننے کیلئے دونوں پر عمل کرنیکی ضرورت ہے، کرنے کی باتوں کو کرے اور بچنے کی باتوں سے بچے، غلطی ہو جائے تو توبہ کرے۔

پانچ راتوں کی فضیلت

یہ مبارک رات جو آرہی ہے، معمولی نہیں ہے بڑی عظیم الشان رات ہے ایک حدیث میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رحمت کائنات جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سال کے اندر پانچ راتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت ان پانچ راتوں میں جاگے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کے واجب ہونے کا فیصلہ لکھ دیتے ہیں۔ (الاصبهانی، الترغیب و الترهیب)

مؤمن کی زندگی کا مقصد چار باتیں ہیں

یہ بات آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ہر مسلمان کی زندگی کا خلاصہ اور اس کی زندگی کا مقصود اصلی چار چیزیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول

(۲) جنت کا نصیب ہونا

(۳) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنا

(۴) جہنم سے آزادی حاصل کرنا

ان چار کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا کے اندر بھیجا ہے اور ہر مومن کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ چار باتیں کریں۔ مرنے سے پہلے پہلے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے اور وہ جنت کا مستحق بن جائے۔ اس کی ناراضگی سے بچ جائے اور دوزخ سے آزادی کا پروانہ حاصل کرے اس طرح ان چاروں باتوں کو حاصل کرے اور ان چار باتوں کو حاصل کرنا چوبیں گھنٹے ہمارے اختیار میں ہے جس طرح کھانا، پینا ہمارے اختیار میں ہے ایسے ہی ان چاروں کو حاصل کرنا بھی ہمارے اختیار میں ہے، اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ جن کاموں کو کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو ہم بجا لائیں اور حسب موقع ان کو انجام دیتے رہیں جہاں کہیں کمی کوتاہی ہو جائے بلا تاخیر فوراً توبہ اور استغفار کر کے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش میں لگے رہیں، کیونکہ انسان غلطی کا پتلا ہے، کہیں نہ کہیں بھول ہو جاتی ہے اور کہیں نہ کہیں غلطی ہو ہی جاتی ہے، اس کا تدارک یہ ہے کہ جہاں غلطی ہو جائے فوراً توبہ کرے اور معافی مانگے اور آئندہ بچنے کی پوری کوشش کرے۔ بہر حال! ہر جگہ ہر کام میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں، کھانے کے اندر بھی، پینے کے اندر بھی، سونے اور اٹھنے کے اندر بھی، کاروبار کے اندر بھی، ملازمت اور

زراعت کے اندر بھی، تجارت، صنعت وحرفت کے اندر بھی، غرض ہر جگہ یہ دونوں باتیں ہیں کہ فلاں کام کرو اور فلاں کام سے بچو، مومن کا ایمان ہر وقت اس سے یہی کہتا ہے کہ اے مومن! دیکھ! یہ گناہ ہے اس سے بچ، اور یہ نیکی ہے اس کو کر اور بجالا، نیکی مت چھوڑ اور بدی کے قریب مت جا، نیز اللہ نے ہر عمل کے بدلہ کا اعلان بھی فرمایا ہے کہ فلاں کام کرو گے تو تم جنت کے مستحق ہو جاؤ گے اور فلاں کام کرو گے تو تم اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جاؤ گے، وہ کام سارے گناہ ہی گناہ ہیں، حرام اور ناجائز کام ہیں، ہر گناہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو انسان کو دوزخ کی طرف لے جانے والا ہے، نیکی چاہے کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو آدمی کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

إِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ إِلَى النَّارِ.

ترجمہ

''بیشک سچائی نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف لیجاتی ہے، اور بیشک جھوٹ گناہ ہے اور گناہ (آدمی کو) جہنم کی طرف لے جاتا ہے''۔ (مشکوۃ)

فضائل شب براءت

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ اس رات کے بارے میں دو باتیں عرض کرونگا، کچھ باتیں کرنے کی ہیں اور کچھ بچنے کی ہیں، کرنے کی باتیں اللہ کی رضا کا باعث ہیں اور جو گناہ کی باتیں ہیں وہ سب اللہ کے غضب کا باعث ہیں اور دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ ہیں ان سے بچنا ضروری ہے سال کی پانچ راتوں میں سے یہ شب براءت بھی ایسی مبارک رات ہے کہ اگر کوئی اس رات میں جاگے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جس طرح شریعت میں ہے، اور اُس طرح نہ کرے جیسے یہاں رائج ہے، اس طرح عبادت کرے جیسی عبادت سنت سے ثابت ہے، اُس طرح نہ کرے جس کا ہمارے ماحول و معاشرہ میں رواج ہے، تو اس کی فضیلت یہ ہے کہ ایسے عبادت گزار کو اللہ تعالیٰ لازمی طور پر جنت کا مستحق بنادیں گے۔

پانچ راتوں کی عبادت، اور جنت کی ضمانت

ان پانچ راتوں میں سے ایک رات تو یہی شب براءت ہے، دوسری شب قدر ہے، تیسری عیدالفطر کی رات، چوتھی بقرعید کی رات اور پانچویں ۹ ذی الحجہ کی رات ہے، افسوس! ہم نہ عید کی رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، نہ بقرعید کی رات میں جاگتے ہیں، ان راتوں کو تو یونہی

بازاروں کے اندر گھوم پھر کر ضائع کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے، لیکن یاد رکھئے کہ یہ دو راتیں بھی بڑی مبارک ہیں، اس میں بھی آدمی کو کچھ نہ کچھ جاگنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، گناہوں سے بچنا چاہئے، سال میں یہ پانچ راتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی اپنی عبادت سے ان کو زندہ رکھے تو اس کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنتی ہونے کا پروانہ ضرور عطا فرما دیتے ہیں۔

شبِ براءت کی دوسری فضیلت

اس رات کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کے اندر بڑے اہم اہم فیصلے فرماتے ہیں، وہ اہم فیصلے اس طرح سے فرماتے ہیں کہ جو کچھ اس دنیا کے اندر ہونا تھا اور ہر انسان کے ساتھ ہونا تھا اللہ پاک نے وہ سب انسانوں کو پیدا کرنے سے پہلے بلکہ اس دنیا کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا کہ دنیا بنے گی اس میں اتنے انسان ہونگے، اور اتنا عرصہ دنیا میں رہیں گے، فلاں دن، فلاں وقت، فلاں فلاں کام کریں گے، اللہ پاک نے ان سب کی پوری تفصیل اور پوری کیفیت لوحِ محفوظ میں تحریر فرما دی، اسے شریعت کی اصطلاح میں ''تقدیر'' کہتے ہیں۔

شب براءت میں سال بھر کے امور کا فیصلہ

سال بھر میں جو کچھ دنیا میں ہونا ہے اور جس جس کے ساتھ جو کچھ ہونا ہے وہ اگرچہ لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا ہے لیکن شب برأت میں اللہ پاک لوح محفوظ سے نقل کروا کر ان فرشتوں کے حوالہ کر دیتے ہیں جن کی یہ ڈیوٹی ہوتی ہے کہ اپنے اپنے وقت پر وہ ان امور کو سرانجام دیں جو انہیں لکھ کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ پندرھویں شعبان کے اندر یہ فیصلہ ہو جاتا ہے اور اسے لوحِ محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت فلاں شخص کی روح قبض کرنی ہے اب اس کا نام مُردوں کی لسٹ میں لکھ دیا گیا اور وہ یہاں کاروبار کر رہا ہے، کھا پی رہا ہے، سو رہا ہے، جاگ رہا ہے، چل پھر رہا ہے اور سالہا سال کے منصوبے بنا رہا ہے، اس کو یہ معلوم نہیں کہ میرا نام مُردوں میں لکھا جا چکا ہے، اسی طرح اگر کسی کے ساتھ کوئی حادثہ ہونا ہے، کسی کا کاروبار فیل ہوتا ہے، کسی کا کاروبار چمکتا ہے، کسی کی شادی ہوتی ہے، کسی کو طلاق ہوتی ہے، کسی کے اولاد ہوتی ہے، یا کسی کو تنزلی کا شکار ہونا ہے، کسی کو عزت ملنی ہے یا کسی نے ذلیل و رسوا ہونا ہے، یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا ہے لیکن کسی کو کچھ معلوم نہیں اور ہر کام اپنے اپنے وقت پر ہوتا رہتا ہے۔

یہ وہ اہم فیصلے ہیں جو اس رات لوحِ محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں کہ تم ان کو انجام دو۔

شبِ براءت میں دعا کی قبولیت

ایک طرف تو یہ بات ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اس رات میں اللہ پاک نے ایک بہت بڑی رحمت رکھی ہے کہ اس رات میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، یوں تو اللہ تعالیٰ ہر رات رات کے تہائی حصہ میں اپنے بندوں کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں اس وقت جو بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض و مناجات کرتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے اللہ پاک اس کی مناجات اور دعائیں قبول فرماتے ہیں۔

روزانہ قبولیتِ دعا کی گھڑیاں

چوبیس گھنٹے میں دو وقت ایسے خاص ہیں کہ اگر اس وقت کوئی دل سے دعا مانگے تو اللہ پاک اس کی دعا رد نہیں فرماتے ایک رات کے آخری حصہ کی دعا اور ایک فرض نمازوں کے بعد کی جانے والی دعا یعنی جب امام سلام پھیر دے اسوقت اگر کوئی دعا مانگتا ہے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے اسی طرح رات کے تہائی حصہ میں جو دعا کی جاتی ہے وہ بھی اللہ کے ہاں قبول ہوتی ہے، رد نہیں ہوتی۔

مصائب کے آنے اور دعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ دن میں پانچ مرتبہ ہمیں قبولیتِ دعا کا موقعہ عطا فرماتے ہیں اور ہر رات کے آخری حصہ میں یہ دولت ہمیں عطا فرماتے ہیں، ہماری نالائقی ہے کہ فرضوں کے بعد بھی ہم دعا میں توجہ اور دھیان نہیں دیتے جس کے ہم بے انتہا محتاج ہیں، ہم میں سے ہر آدمی پریشان ہے، ہر آدمی مصیبتوں میں مبتلا ہے، ہر آدمی کے ذہن میں بڑے بڑے افکار ہیں اور ہر آدمی چاہتا ہے کہ مجھے سکون کی زندگی ملے اور میری ساری پریشانیاں دور ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دور کرنے کے لئے دن کے پانچ اوقات میں قبولیتِ دعا کا اعلان فرمایا ہے، لیکن ہم نے غفلت اور بے دھیانی میں انہیں گنوا رکھا ہے اور سلام پھیرتے ہی طوطے کی طرح رٹے رٹائے دعا کے چند کلمات پڑھے اور اُٹھ کر چل دیئے، اُٹھک بیٹھک کی طرح نماز پڑھی اور بھاگ لئے اور رہا رات کے آخری حصہ کی دعا کی قبولیت کا وقت؟ سو وہ خراٹوں اور نیند کی کروٹوں میں گزر جاتا ہے حالانکہ پہلے مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ نماز کے لئے دنیا کے سارے کام چھوڑ کر انتہائی آرام و سکون اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتے تھے، یہی مطالبہ آج بھی ہم سے ہمارے دین و ایمان کا ہے وہ لوگ دعا خوب توجہ اور دھیان سے مانگتے تھے اور تہجد میں اٹھنے کا عام معمول تھا، مسلمانوں

کے کسی محلہ سے گزر ہوتا تو کہیں سے تلاوتِ قرآن کی آواز آتی اور کہیں سے ذکر کی آواز آتی، کہیں سے دعا میں رونے کی آواز آتی، کیا خوب کہا کسی نے

شب کی آہیں نہ رہیں قلب کے نالے نہ رہے

نہ رونے والا سینہ رہا نہ آہیں کھینچنے والے دل رہے، وہ سب رخصت ہوگئے، رات ٹی وی دیکھنے یا نیند کے خراٹوں میں گزاردی، اور نمازِ فجر قضا کر کے پڑھی، تو بتایئے ایسی صورت میں دعا کیسے قبول ہوگی؟ ہم اللہ کی رحمتؒ کے مستحق کیسے ہوں گے؟

دعا کی قبولیت کے لئے دو شرطیں

قبولیتِ دعا کے لئے دو شرطیں ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

قبولیتِ دعا کی پہلی شرط

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ کھانا پینا حلال کا ہو۔

جس آدمی کا کھانا پینا حلال کا نہیں ہوگا اُس کی دعا نہ شب قدر میں قبول ہوگی، نہ شب عید و بقرعید میں قبول ہوگی، نہ رمضان میں قبول ہو گی، کیونکہ حلال کھانا قبولیتِ دعا کے لئے شرط ہے جیسے نماز کی صحت کے لئے وضو شرط ہے کوئی شخص بغیر وضو کے کتنی ہی پیاری نماز پڑھے اور کتنے ہی خشوع وخضوع سے نماز ادا کرے اس کی نماز درست نہیں ہوگی ایسے ہی جس نے

حرام کھایا ہوگا یا پیا ہوگا اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔

حدیث میں ہے کہ دو آدمیوں کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی جب بھی وہ دعا کرتے ہیں انکی دعا ضرور قبول ہوتی ہے ایک باپ کی دعا اپنی اولاد کے حق میں اور دوسرے مسافر کی دعا کہ یہ بھی ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسری حدیث ہے کہ ایک آدمی کا بڑے لمبے لمبے سفر کرتا ہے، سفر کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کے کپڑے بھی غبار آلود ہیں، سر کے بال بھی غبار آلود اور پراگندہ ہیں، ایسی خاکساری کی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور یا رب یا رب کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی حرام ہے اس کا پینا بھی حرام ہے اس کا لباس بھی حرام کا ہے تو فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لَہٗ الدُّعَاءُ اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ (مسلم عن ابی ہریرہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کی دعا جس کی قبولیت میں کوئی شک نہیں، یہ بھی تب قبول ہوتی ہے جب وہ حلال کھائے اور حرام سے بچے۔

حرام آمدنی کی مختلف صورتیں

آج حرام خوری کا بڑا دروازہ کھلا ہوا ہے، سودی بینکوں کے اندر لوگ جو فکسڈ ڈپازٹ رکھتے ہیں اس کے اندر بنام نفع جو کچھ بھی وصول کرتے

ہیں وہ خالص سود ہوتا ہے، اصل رقم سے زائد جو اضافی رقم ملتی ہے وہ سود ہوتی ہے، انعامی بانڈز کے اندر انعام کے نام پر جو رقم ملتی ہے وہ بھی خالص سود ہوتی ہے اسی طرح انشورنس کے اندر جمع کرائی گئی اصل رقم سے جتنی زائد رقم ملتی ہے وہ سود اور جوئے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح رشوت لینے دینے کا ہمارے یہاں عام رواج ہے اور پگڑی سسٹم بھی ہمارے یہاں بہت عام ہے جس میں رسید بدلوائی اور پگڑی کی رقم حرام اور قطعاً ناجائز ہے۔

دیکھئے! معاملات وغیرہ کی کتنی صورتیں ہیں جو میں نے آپ کو بتائی ہیں، یہ ہمارے معاشرے میں عام ہیں جبکہ یہ سب حرام خوری کے دروازے ہیں اور یہ سب سود خوری کے دروازے ہیں، جب آدمی حرام کھائے گا، حرام پیئے گا، اور حرام آمدنی سے لباس پہنے گا تو نہ اس کی نماز قبول ہوگی، نہ اس کا حج قبول ہوگا، نہ روزہ قبول ہوگا، نہ اس کی دعا قبول ہوگی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے حرام کا ایک لقمہ حلق سے نیچے اتارا اور وہ لقمۂ حرام اس کے حلق سے نیچے اتر گیا تو چالیس دن تک اس کے نہ فرض قبول ہوں گے، نہ نفل قبول ہوں گے اور نہ دعا قبول ہوگی۔

قبولیتِ دعا کی دوسری شرط

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دل سے دعا کرے یعنی وہ ہمہ تن دعا میں متوجہ ہو، اس کا دماغ اور اس کا ذہن اس کے سب اعضاء پوری طرح اس طرح متوجہ ہوں کہ وہ اللہ کا محتاجِ محض ہے، اور دل میں یہ بات ہو کہ میں اس سے عرض کر رہا ہوں اور وہ میری دعا ضرور قبول کریں گے، اگر اس یقین کے ساتھ پوری توجہ، انہماک اور دھیان سے دعا کی جائے اور اس کے ساتھ پہلی شرط کا بھی لحاظ رکھا جائے تو اس کی دعا انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔

قبولیتِ دعا کا مطلب اور غلط فہمی کا ازالہ

دعا کی قبولیت کا مطلب بھی ذرا سمجھ لیں ہم دعا کی قبولیت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے مانگا ہے وہ ملے، اگر وہ مل گیا تو سمجھو دعا قبول ہوگئی اور اگر مطلوبہ چیز نہ ملی تو گویا دعا قبول ہی نہیں ہوئی یہ صحیح نہیں ہے۔

قبولیتِ دعا کی تین صورتیں

ہماری شریعت میں دعا کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک چیز حاصل ہو جائے، اگر تین میں سے کوئی ایک چیز مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا قبول ہوگئی۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ جو مانگ رہا ہے بعینہ وہی چیز انسان کو

مل جائے، مثال کے طور پر کاروبار مانگ رہے ہیں کاروبار چمک جائے، ملازمت مانگ رہے ہیں ملازمت مل جائے، رشتہ ڈھونڈ رہے تھے رشتہ مل جائے، غرض! مطلوبہ چیز کا مل جانا قبولیتِ دعا کی علامت ہے۔

(۲) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگتے ہیں وہ نہیں ملتا بلکہ اس کے بدلے یہ ہوتا ہے کہ کوئی مصیبت، حادثہ، پریشانی یا سانحہ جو ہماری قسمت میں لکھا ہوا تھا، جو ہمارے ساتھ ہونے والا تھا اس دعا کی بدولت اللہ جل شانہ اس کو دور فرمادیتے ہیں، بعض مرتبہ آدمی چھوٹی سی بیماری سے شفاء کی دعا کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑے آپریشن سے اس کی جان بچادیتے ہیں، یہ بھی دعا کی قبولیت کی ایک صورت ہے۔

(۳) قبولیتِ دعا کی تیسری صورت یہ ہے کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ کردیتے ہیں یعنی بندہ جو دعا مانگتا ہے اسکی مراد دنیا میں بظاہر پوری نہیں ہوتی تاہم اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد بھی نہیں فرماتے بلکہ اس پر قبولیت کی مہر لگا کر اس کے نامۂ اعمال میں درج کردیتے ہیں، جب آخرت کا دن آئے گا اللہ پاک اس وقت اس کا اجر وثواب بندہ کو عطا فرمائیں گے کیونکہ دنیا کی زندگی تو بہرحال گزر جاتی ہے آدمی اس میں جیسے تیسے گزارہ کرلے گا لیکن آخرت میں وہ ایک ایک نیکی کا محتاج ہوگا اس وقت اللہ تعالیٰ اس کو اجر وثواب عطا فرمائیں گے اور دعا کی بدولت آخرت کی

نعمتیں عطا فرمائیں گے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ جب آخرت میں پہنچیں گے تو وہاں ان کو بہت سی نعمتیں حاصل ہوں گی وہ حیران ہوں گے کہ ہم تو اتنے نیک نہیں تھے اور یہ اتنی نعمتیں اللہ پاک نے ہمیں کیسے عطا فرمادیں، ہماری کونسی نیکی کا یہ بدلہ ہیں؟ فرشتے جواب میں کہیں گے کہ تم دنیا میں جو دعائیں مانگا کرتے تھے ان میں جو دعائیں تمہاری قبول نہیں ہوتی تھیں وہ دعائیں اللہ تعالیٰ نے یہاں ذخیرہ کر رکھی ہیں، آج ان کے بدلے یہ محلات مل رہے ہیں، یہ باغات مل رہے ہیں، یہ نہریں مل رہی ہیں، یہ چمن مل رہے ہیں، یہ سب تمہاری ان دعاؤں کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو دنیا میں قبول نہیں ہوئیں، یہ دیکھ کر لوگ کہیں گے کاش ہماری ایک دعا بھی دنیا میں قبول نہ ہوتی، وہاں لیکر کیا کیا؟ یہاں ملتا تو سب سے بہتر تھا اس لئے کہ وہاں جو ملا وہ فنا ہو گیا جبکہ یہاں کی نعمت تو باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

بہر حال! دعا کی قبولیت کا یہ مطلب بھی ہے کہ دنیا میں تو مراد نہیں ملتی لیکن آخرت میں اس کے بدلہ نعمتیں ملتی ہیں۔

دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے

اب اصل بات سنو! جب ہم ذکر کردہ دو شرطوں کے ساتھ دعا کریں گے تو اگر ہماری تقدیر میں کوئی ضرر اور نقصان لکھا ہوگا، کوئی خسارہ لکھا

ہوگا، کوئی حادثہ یا کوئی مصیبت لکھی ہوگی، کوئی پریشانی یا نقصان لکھا ہوگا، کوئی آفت لکھی ہوگی، تو دعا ایسی چیز ہے جو تقدیر کو بدل دیتی ہے ایک طرف تو لوحِ محفوظ سے سال بھر میں پیش آنیوالے واقعات و حادثات نقل کروائے جارہے ہیں، اور دوسری طرف دعا کا دروازہ بھی کھول رکھا ہے بلکہ خصوصیت سے کھولا جارہا ہے اور وہ خصوصیت یہ ہے کہ عام دنوں میں تو رات کے آخری تہائی حصہ میں قبولیت کا دروازہ کھلتا ہے لیکن اس رات میں قبولیت کا دروازہ مغرب کے بعد سے کھل جاتا ہے اور صبح صادق تک برابر کھلا رہتا ہے نہ صرف کھلا رہے گا بلکہ حدیث میں ہے کہ ساری رات فرشتے یہ اعلان کرتے ہیں کہ کوئی ہے روزی مانگنے والا کہ ہم اس کو روزی دیں، کوئی ہے عافیت مانگنے والا کہ ہم اس کو عافیت دیں، کوئی ہے ہم سے اولاد مانگنے والا کہ ہم اس کو اولاد دیں، کوئی ہے رشتہ مانگنے والا کہ ہم اس کو رشتہ دیں، کوئی ہے عزت مانگنے والا کہ ہم اس کو عزت دیں، اس طرح کے اعلانات مغرب سے لے کر صبح صادق تک برابر ہوتے رہتے ہیں۔

کتنی بڑی رحمت اور کتنی بڑی فضیلت اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنی تقدیر بھی بدلوا سکتے ہیں اور دعائیں مانگ کر ہم اپنی مصیبتیں ٹلوا سکتے ہیں ہماری قسمت میں اگر خیر نہیں ہے اور عزت نہیں ہے، عافیت نہیں ہے، صحت نہیں ہے اور خیر نہیں تو آج کی شب دعا مانگ

مانگ کر خیر لکھوالو، وہ اعلان کر رہے ہیں بس آپ کے مانگنے کی دیر ہے، اُدھر سے قبولیت میں دیر نہیں ہے، مگر انہی دو شرطوں کے ساتھ دعا قبول ہوگی جو اوپر ذکر کی گئی ہیں، نیز قبولیت کے وہ تین معنی بھی ذہن میں رہنے چاہئیں جو ابھی ذکر کئے گئے ہیں۔

شبِ براءت میں بندگانِ خدا کی جہنم سے آزادی

اس مبارک رات کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پوری رات میں اپنے بندوں کو اپنی رحمت کے طفیل دوزخ سے آزاد کرتے ہیں اور ہزار دو ہزار نہیں، لاکھ دو لاکھ نہیں، کروڑ دو کروڑ نہیں بلکہ ان گنت اور بے شمار انسانوں کو جہنم کی آگ سے رہائی عطا فرماتے ہیں، اس کی مثال حدیث میں یوں دی گئی ہے کہ عرب میں بنو کلب ایک قبیلہ تھا ان کے یہاں بھیڑ بکریاں بہت زیادہ تھیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبیلہ بنو کلب کی بھیڑ بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہیں ان بالوں کی تعداد سے زیادہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ اس رات میں دوزخ سے بری فرماتے ہیں لہٰذا یہ رات مغفرت کی بھی ہے، اس لئے اس رات میں بخشش بھی مانگنی چاہئے، مغفرت بھی مانگنی چاہئے، اور یوں دعا کرنی چاہئے، یا اللہ! میری، میرے والدین، میرے دادا دادی اور میری ساس وسسر اور اوپر تک جتنے مسلمان گزر چکے ہیں ان سب کی

اور ان کی نسل میں جتنے مسلمان وفات پا چکے ہیں انکی اور جو آئندہ آئیں گے ان سب کی بخشش فرمادے اس کے بعد پھر یوں کہیں کہ یا اللہ! حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر آج تک جتنے مسلمان اس دنیا سے جا چکے اور جتنے موجود ہیں اور جتنے قیامت تک آئیں گے، مرد ہوں یا عورت، انسان ہوں یا جنات، ان سب کی مغفرت فرما، ان سب کی بخشش فرما اور سب کے درجات بلند فرما اور سب کو دوزخ سے بری فرما، بھئی! اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ مرنے والے کو بھی ان سب کا ثواب دیدیں، اس کا ثواب معلوم ہے کہ کتنا ہے؟ جتنے انسانوں کے لئے ہم نے دعا کی ہے اتنے انسانوں کے ساتھ ہم نے نیکی کی ہے، کسی نے ہم سے نہیں کہا کہ ہمارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا کر دینا، ہم اللہ کے لئے کر رہے ہیں تو ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنے سے اربوں کھربوں نیکیاں اسی لمحہ آپ کے نامۂ اعمال میں ان شاء اللہ درج ہو جائیں گی، بلکہ اگر کوئی خوش نصیب انسان یہ معمول بنالے، روزانہ پچیس مرتبہ یا ستائس مرتبہ یہ دعا کرلیا کرے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

ترجمہ

''اے اللہ! تمام مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں، تمام

مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کی مغفرت فرما دیجئے''۔

اور نیت یہ ہو کہ سارے مسلمان مرد اور ساری مسلمان عورتیں، انسان و جنات کی مغفرت ہو جائے یہ چھوٹا سا لفظ ہے لیکن اگر کوئی شخص روزانہ کم از کم پچیس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کرنے والے کو مستجاب الدعوات بنا دیں گے، یعنی اس کا پہلا انعام تو یہ ہوگا کہ یہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے گا، اس کی دعا قبول ہو جائے گی، اللہ پاک اس کو مستجاب الدعوات بنا دیں گے۔

دوسروں کے لئے دعا کرنا رزق پانے کا ذریعہ ہے

دوسروں کے لئے دعا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں داخل فرماتے ہیں کہ جن کی بدولت اور جن کے طفیل اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو روزی عطا فرماتے ہیں، تو جن کے طفیل دوسروں کو روزی ملتی ہے کیا خود انہیں نہیں ملے گی؟ نہیں نہیں، بلکہ انہیں پہلے ملے گی اور اس کے طفیل دوسروں کو بھی ملے گی، اس میں دنیا کا بھی فائدہ ہے اور آخرت کا بھی فائدہ ہے۔

لفظ ''روزی'' کا مفہوم

شریعت اور دین میں جب روزی کا لفظ آتا ہے اس سے صرف دال روٹی مراد نہیں ہوتی، بلکہ اس سے انسان کی دنیا اور آخرت کی ہر ضرورت مراد

ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت کی ہر ضرورت غیب سے پوری فرمائیں گے، بلکہ اس کے ذریعے اوروں کو بھی رزق دیں گے اور ان کی تمام ضروریات وحاجات پوری فرمائیں گے، یہ بڑی عظیم دعا ہے اس مبارک رات میں جہاں ہم اپنے والدین اور اہل وعیال کے لئے مغفرت کی دعا کریں تو کل مومنین اور کل مومنات اور کل مسلمین وکل مسلمات کے لئے بھی دعا کرنا نہ بھولیں، اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے اور ان کا بھی فائدہ ہے۔

شب براءت میں کوئی خاص عبادت مقرر نہیں

چوتھی بات یہ ہے کہ اس مبارک رات کے اندر شریعت میں کوئی خاص عبادت مقرر نہیں جس کا جس عبادت میں زیادہ دل لگے سنت کے مطابق اس کو انجام دے، جس کا تلاوت میں دل لگے وہ تلاوت کرتا رہے، جس کا ذکر میں دل لگے وہ ذکر کرتا رہے، جس کا دعا میں دل لگے وہ دعا کرتا رہے، جس کا نفلوں میں دل لگے وہ نفل پڑھتا رہے، جس کی قضا نمازیں رہتی ہوں وہ قضا نمازیں پڑھتا رہے، یہ بھی عبادت ہے، جس کا صدقہ دینے کو دل چاہے وہ صدقہ دیتا رہے۔

الغرض! شریعت میں اس رات کی کوئی خاص عبادت مخصوص اور

مقرر نہیں۔

شب براءت کی عبادت کے لئے پھیلائے گئے اشتہارات کی حیثیت

یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اس رات میں آپ کو اشتہارات تقسیم ہوتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہو سکتا ہے کہ آپ کے پاس بھی کوئی نہ کوئی اشتہار پہنچ جائے جس میں مختلف مقاصد کے لئے خاص خاص طریقوں سے نوافل پڑھنے کا طریقہ لکھا ہوگا، اور ان کے بڑے فضائل درج ہوں گے، وہ کسی معتبر سند سے ثابت نہیں، نہ ان کی یہ فضیلت ثابت ہے، نہ ان کا یہ طریقہ ثابت ہے، سنت کے مطابق ہم جس طرح روزمرہ نفلیں پڑھتے ہیں اسی طرح اس رات میں بھی نفلیں پڑھنی چاہئیں، لیکن جو نمازیں ہم روزمرہ پڑھتے ہیں اکثر ''تو چل میں آیا'' والی اُٹھک بیٹھک ہوتی ہے، اس طرح کی نماز تو روزمرہ میں بھی ناجائز ہے، ہم بجائے سو نفلوں کے صرف دو نفل پڑھیں لیکن وہ دو نفل ایسی پڑھیں کہ گویا وہ زندگی کی آخری دو رکعتیں ہیں، یہ دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوں گی اُن ایک ہزار رکعت سے جو بغیر خشوع وخضوع کے جلدی جلدی اُلٹی سیدھی ادا کی گئی ہوں، اس لئے بیشک کم نوافل پڑھیں لیکن بڑے آرام، اطمینان اور سکون سے ادا کریں۔

شبِ براءت گزارنے کا طریقہ

اب میں آپ کو یہ رات گزارنے کا طریقہ بتاتا ہوں کہ ہم اس رات کو کیسے گزاریں، یہ طریقہ مسنون یا ضروری نہیں ہے، تجربہ سے نافع اور مفید ہے، اور وہ یہ ہے کہ ۱۴ رشعبان کو صبح اشراق کے بعد خوب نیند کرلیں اس نیت سے کہ رات کو ہم زیادہ سے زیادہ عبادت میں لگ سکیں، اور دن بھر کام کاج بھی زیادہ محنت والا نہ کریں اور ظہر کے بعد قیلولہ کریں یعنی دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد گھنٹہ پون گھنٹہ لیٹ جائیں، نیند نہ آئے تب بھی لیٹ جائیں، قیلولہ سے عجیب وغریب طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے اور عصر کے بعد اگر غسل کرکے نئے کپڑے پہن لیں تو بہت اچھی بات ہے، جیسے جمعہ کی تیاری کرتے ہیں ویسی ہی تیاری کرلیں اور خوشبو وغیرہ لگا کر مغرب کی آذان سے پہلے پہلے تیار ہوکر مسجد آجائیں، اگر اذان کے بعد بھی پہنچ جائیں تو کوئی حرج نہیں، یہ کوئی فرض واجب نہیں، میں صرف آسانی کے لئے عبادت کا طریقہ بتلا رہا ہوں، بہرحال! بہتر یہ ہے کہ آپ مسجد میں اذان سے پہلے پہلے پہنچ جائیں اور آذان ہوتے ہی سمجھ لیں کہ گویا اس رات کی رحمتوں کی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ہے، اور آپ مغرب کی نماز بڑے آرام وسکون سے ادا کریں اور نیت کرلیں کہ میں عشاء تک بنیتِ اعتکاف بیٹھوں گا، لہٰذا عشاء تک

نفلی اعتکاف کی نیت کرلیں، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عشاء تک اعتکاف کی نیت سے بیٹھنا کوئی اس رات کی خصوصیت نہیں ہے کسی بھی دن یہ نفلی اعتکاف کیا جا سکتا ہے۔

مغرب تا عشاء اعتکاف کی خصوصیت

مغرب تا عشاء اعتکاف کی فضیلت از روئے حدیث یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مغرب کے بعد عشاء تک کسی بھی دن اعتکاف کرلے اور دورانِ اعتکاف کسی سے بات چیت نہ کرے اور نہ کسی قسم کی دنیا کی بات کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنا دیتے ہیں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم اس رات میں اعتکاف کرلیں کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، دنیا کی باتوں میں نہ لگیں، فرائض و نوافل ادا کریں، مغرب کی سنتوں کے بعد اوّابین کی چھ رکعتیں پڑھیں بلکہ یہ تو ہر روز پڑھنی چاہئیں۔

اوّابین کی فضیلت

اوّابین کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بارہ سال کی عبادت کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے اتنے گناہ معاف فرما دیتے ہیں جتنے سمندر کے جھاگ ہیں یعنی گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ سے اوّابین کی جہاں چھ رکعتوں کا ثبوت

ہے وہاں بیس رکعت کا بھی ثبوت ہے، اس لئے کبھی کبھی زندگی میں بیس رکعت بھی پڑھنی چاہئیں، اس سنت کو کون زندہ کرے گا؟ آپ ﷺ کی اُمت ہی زندہ کرے گی، خواتین وحضرات کا کام ہے کہ اس سنت کو بھی زندہ کرلیں، یہ رات بھی مبارک ہے اور عمل بھی مسنون ہے، لہٰذا کوشش کریں کہ مغرب کے بعد مسجد ہی میں رہیں اور بجائے چھ رکعت کے بیس رکعت پڑھیں، اور آرام وسکون سے پڑھیں، ذرا سی دیر میں عشاء کی نماز کا وقت ہو جائے گا، اگر کوئی وقت بچ جائے تو دعا میں مصروف ہو جائیں جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا ہے کہ اس رات قبولیتِ دعا کا وقت مغرب سے ہی شروع ہو جاتا ہے اس لئے درمیان میں وقفہ وقفہ سے کوئی نہ کوئی دعا مانگتے رہیں یہاں تک کہ عشاء کا وقت ہو جائے، اسی طرح خواتین بھی گھروں میں یہی عمل دہرائیں تو اچھا ہے۔

عشاء کے بعد کے معمولات

عشاء کی نماز باجماعت ادا کریں اور معمول کے مطابق سنتیں اور نوافل پڑھیں، عشاء کی سنتوں کے بعد دو نوافل تو عام ہی پڑھی جاتی ہیں لیکن اگر کوئی چار نفل پڑھ لے تو اس کو تہجد کا ثواب ملتا ہے یہ ایسا نسخہ ہے کہ آدمی بآسانی ساری زندگی تہجد کا ثواب حاصل کر سکتا ہے، وجہ اسکی یہ ہے کہ تہجد کا

اصل وقت عشاء کے فرضوں کے بعد سے صبح صادق تک رہتا ہے، تہجد کا اول وقت جائز وقت ہے اور شب کا آخر وقت افضل وقت ہے اس لئے بھائی! اگر آخر اور افضل وقت میں تہجد نہ پڑھ سکیں تو عشاء کے بعد ابتدائی جائز وقت میں ہی تہجد کی نماز پڑھ لیا کریں، البتہ اس میں سونا شرط نہیں ہے جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ تہجد تو سونے کے بعد اُٹھ کر پڑھنی چاہئے تہجد کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے، تہجد رات کے آخری حصہ میں نوافل پڑھنے کا نام ہے، چاہے ساری رات جاگتا رہا ہو یا سو کر اٹھا ہو، لہٰذا بھئی! جب ہم پڑھ کر بھی سو سکتے ہیں تو کیوں نہ تہجد پڑھ کر سوئیں اس سے نفس بھی نہیں پھولے گا کیونکہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے سے آدمی سمجھتا ہے کہ میں بڑا تہجد گذار ہوں اور میں بڑا عبادت گذار ہوں، یہاں کون اس کو عبادت گذار سمجھے گا، تو اچھا ہے کہ نفس نہ پھولے جتنا یہ پست ہوگا اتنا ہی اسکا ثواب بڑھے گا۔

تہجد کی رکعتوں کی تعداد

تہجد کیلئے بہتر یہ ہے کہ کم از کم چار رکعت پڑھیں اور اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آٹھ رکعت پڑھیں اور سب سے افضل اور بہتر درجہ یہ ہے کہ بارہ رکعتیں پڑھیں، اور مزید اگر ہمت، قوت، طاقت اور استطاعت ہو تو

صلوٰۃ التسبیح بھی پڑھ لیں، اس لئے کہ یہ رات بھی مغفرت کی ہے اور یہ نماز بھی باعثِ مغفرت ہے۔

صلوٰۃ التسبیح سے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی وجہ سے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے اور یہ رات بھی مغفرت کی ہے تو انشاء اللہ یہ سونے پہ سہاگہ ہو جائیگا، ویسے صلوٰۃ التسبیح بعد از مغرب بھی پڑھ سکتے ہیں اور بارہ بجے سے پہلے بھی، آپ اپنی اپنی سہولت دیکھ لیں میں نے آپ کو ایک مسنون عمل بتایا ہے اس کے بعد دعا بھی کرلیں اور یہ تمام اعمال کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں، اگر نزدیک کوئی ایسا قبرستان ہو جس میں کوئی میلہ ٹھیلا نہ ہو، جیسا کہ آج کل قبرستانوں کو سجایا جاتا ہے اور وہاں مَردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بھی ہوتا ہے، ڈھولک، سارنگی اور قوالی بھی ہوتی ہے، جو کہ سب حرام اور ناجائز کام ہیں، ایسے قبرستان میں جانے سے پرہیز کریں، اس سے بہتر ہے کہ آپ گھروں کو چلے جائیں البتہ جو قبرستان سناٹے والا ہو، اور اس میں ایسی خرافات نہ ہوں اور آپ آسانی سے وہاں جا سکتے ہوں تو رات کو ۱۲ بجے سے پہلے یا ۱۲ بجے کے بعد چند منٹ کے لئے وہاں چلے جائیں۔

قبرستان کے آداب اور مروّجہ رسمیں

قبرستان جا کر سورہ فاتحہ اور ۱۲ دفعہ **قل ھو اللہ** پڑھ کر کم از کم تمام مُردوں کو اس کا ثواب بخش دیں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کر دیں۔

قبرستان جانا بھی نہ فرض ہے نہ سنت بلکہ یہ صرف مستحب ہے اور ہر سال قبرستان جانا بھی کوئی ضروری نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے شب برأت میں قبرستان جانا زندگی میں صرف ایک یا دو مرتبہ ثابت ہے، جبکہ آپ کی زندگی میں شب برأت تیئس مرتبہ آئی۔

میں یہ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ لوگوں نے اس کو فرض و واجب بنا رکھا ہے، انکے ہاں عشاء اور مغرب کی نماز بیشک فوت ہو جائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ٹھٹھہ[1] نہ جائے، اس کا ناغہ نہ ہونے پائے، یہ غلط ہے اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں وہاں انہیں سوائے میلے ٹھیلے کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، یاد رکھئے! یہ ناجائز ہے، اسکا کوئی ثبوت نہیں، یہ بالکل بے اصل اور من گھڑت طریقہ ہے جو لوگوں نے اپنی طرف سے اختیار کر لیا ہے اس سے بچنا چاہئے۔

شب براءت میں اہلِ خانہ کو عبادت کے لئے آمادہ کریں

پھر گھر جا کر اگر بآسانی ممکن ہو تو اپنے گھر کے افراد کو جمع کریں، سب مل کر سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کی تسبیحات پڑھیں اور

[1] ٹھٹھہ کا قبرستان معروف ہے اور بعض حضرات اس رات میں وہاں جانے کا بہت اہتمام کیا کرتے ہیں۔

درود شریف کی تسبیح پڑھیں بچوں کو بھی پڑھوائیں تا کہ انکی تربیت ہو، ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی معمول تھا، وہ بھی ہمیں اس رات میں بٹھایا کرتے اور ذکر کروایا کرتے تھے۔ لیکن اگر سب جمع نہ ہوں، الگ الگ عبادت کریں تب بھی مقصود حاصل ہے، جمع ہونا ضروری نہیں ہے، عبادت میں دل لگانے کے لئے ہے۔

بچوں کو عبادت پر آمادہ کرنے کا طریقہ

چھوٹے بچوں کو عبادت کے لئے آمادہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ انکے لئے کوئی انعام مقرر کردیں، اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کسی کے لئے ایک روپیہ اور کسی کے لئے دو روپے اور کسی کے لئے پانچ روپے مقرر کردیں، پھر دیکھیں کہ بچوں میں کیسا جوش آتا ہے اور بوڑھے بھی جوان ہو جائیں گے اور سب ذوق وشوق سے عبادت کریں گے، بچے بھی کروڑوں نیکیاں کمالیں گے بہرحال جب تک طبیعت میں نشاط ہو عبادت میں مصروف رہیں۔

تین جامع دعائیں

اس کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی دعا کریں، تین دعائیں بہت ہی جامع ہیں میں بتادیتا ہوں ان میں جو سب سے جامع دعا ہے وہ قرآن میں ہے۔

پہلی دعا

پہلی دعا یہ ہے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (البقرة: ۲۰۱)

ترجمہ

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بہتری عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بہتری عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا''۔

یہ جامع ترین دعا ہے۔

دوسری دعا

دوسری دعا یہ ہے کہ اے اللہ! نبی کریم ﷺ نے دنیا اور آخرت کی جتنی بھلائیاں مانگی ہیں وہ سب آپ ہمیں عطا فرمادیں اور جن جن چیزوں سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے آپ ہمیں ان سب سے پناہ عطا فرمادیں، تمام مخلوقات کی دعاؤں کی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی اُمتوں کو تلقین فرمائی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی دعائیں حضور ﷺ کی دعاؤں کے اندر ہیں کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر نہ کوئی مانگنے والا ہوا ہے، نہ ہوسکتا ہے، جس طرح

آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں ایسے ہی آپ ﷺ دعا مانگنے کے بھی امام ہیں، آپ کی بیشمار دعائیں ہیں، سب دعائیں آپ ﷺ نے مذکورہ دعا میں جمع فرمادی ہیں، یہ بہت ہی جامع دعا ہے، اس میں تمام خوبیاں ہیں اور تمام دعائیں اس کے اندر ہیں۔

تیسری دعا

تیسری دعا ان سب دعاؤں کا خلاصہ ہے اور وہ ہے عافیت کی دعا، یہ لفظ اگر چہ بہت چھوٹا سا ہے لیکن یہ ان ساری دعاؤں کا سردار ہے جیسے الحمد اللہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے ان سب کا سردار ہے، اسی طرح جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی جاتی ہے لفظ عافیت ان سب کا سردار ہے، ساری مخلوقات مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، آخرت کی خیر مانگے، مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچنے کی دعا کرے اور ایک آدمی ایک طرف تنہا بیٹھ کر فقط عافیت کی دعا مانگے، یہ دعا ان سب دعاؤں پہ بھاری ہے۔

یہ تین دعائیں میں نے آپکو بتائی ہیں یہ اوّل وآخر اور درمیان میں کریں اور تہجد پڑھ کر بھی کریں پھر جب نیند آنے لگے تو زبردستی عبادت نہ کریں، اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں ہماری کمزوریوں سے واقف ہیں انہوں

نے ساری رات جاگنا اپنی رحمت عطا کرنے کیلئے شرط قرار نہیں دیا۔

عشاء اور فجر کی نماز با جماعت پڑھنے سے رات بھر عبادت کا ثواب

جو مغرب کی نماز با جماعت پڑھے گا ان شاء اللہ تعالیٰ وہ عشاء کی نماز بھی با جماعت مع تکبیر اولیٰ کے پڑھے گا اور جو عشاء کی نماز با جماعت تکبیر اولیٰ سے پڑھ لیتا ہے از روئے حدیث اس کو آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جو فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لیتا ہے اسکو باقی آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے، روزانہ جو آدمی عشاء اور فجر کی نماز با جماعت ادا کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو ساری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب اسکے نامۂ اعمال میں لکھدیا جاتا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ جب عبادت کے دوران نیند آنے لگے تو ایسی صورت میں زبردستی عبادت نہ کریں کیونکہ اب سونا نفع میں ہے، اب سو جانا بہتر ہے، تین ساڑھے تین گھنٹہ سو جائیں اس کے بعد پھر تہجد کے لئے بیدار ہو جائیں، بچوں کے علاوہ جو سمجھ دار ہوں انکو بھی جگالیں، وہ سب ضروریات اور حاجات سے فارغ ہو کر تہجد میں مشغول ہو جائیں، صلوٰۃ التوبہ پڑھ لیں اور گڑگڑا کر اپنی ساری زندگی کے گناہوں کی معافی مانگیں اور اس کے بعد دل میں جتنی بھی

دعائیں ہیں وہ مانگیں اور پھر کچھ تسبیحات پڑھ لیں، رات کا یہ آخری حصہ بڑا قیمتی ہے، یہ خاص وقت ہے اللہ کی رحمت کا، ویسے تو روزانہ یہ وقت قبولیت دعا کا مخصوص وقت ہے، لیکن اب یہ شب برأت کا آخری حصہ بھی ہے اس لئے اس وقت اللہ تعالی سے خوب اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، قرضوں کی ادائیگی کی دعا مانگیں اور اپنے لئے حج وعمرہ کی دعا مانگیں، رشتوں کی دعا مانگیں، کاروبار میں برکت کی دعا مانگیں، رمضان کے روزوں کے اندر خیر و برکت کی دعا مانگیں، صحت وعافیت کی دعا مانگیں، دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں مانگ لیں اور یقین رکھیں کہ جو کچھ مانگا ہے وہ سب ہمیں مل گیا، یقین سے مانگو گے تو انشاء اللہ اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ جو مانگا تھا وہ مل رہا ہے، اسکے بعد پھر سحری کھالیں اور سیدھے مسجد میں آئیں، گھر میں نہ بیٹھیں، کیونکہ سحری کھاتے ہی نیند کا نشہ شروع ہو جاتا ہے اس لئے گھر بیٹھنے میں خطرہ ہے کہ کہیں نیند کے غلبہ میں جماعت نہ نکل جائے، اس لئے سیدھے مسجد میں آجائیں اور خواتین گھر میں مصلے پر بیٹھ جائیں وہ بھی ذکر اور دعا میں لگی رہیں یہاں تک کہ فجر کی آذان ہو جائے، مرد مسجد میں فجر کی نماز باجماعت تکبیر اولی کے ساتھ پڑھیں اور خواتین گھر میں اپنے اپنے وقت پر نماز ادا کریں، اس کے بعد اگر نیند نہ آرہی ہو تو اشراق پڑھ کر سو جانا بہتر ہے، اشراق پڑھ کر آپ رات بھر کی نیند پوری کرلیں، یہ رات گزارنے کا طریقہ ہے، انشاء اللہ

اسطرح سے یہ رات قیمتی بن جائے گی اور اس رات کے فضائل و برکات انشاء اللہ ضرور حاصل ہونگے۔

بچنے کے کام

اب میں ایک دوسرا پہلو بیان کرتا ہوں جو باتیں اوپر ذکر ہوئیں وہ تو کرنے کی ہوئیں اور انکی فضیلتیں بھی اوپر بیان ہوگئیں اب میں مختصراً وہ باتیں بتلاؤں گا جن کو اس رات میں کرنا حرام اور ناجائز ہے، حضور اکرم ﷺ نے انکے بارے میں بتلادیا کہ فلاں فلاں گناہ ایسے ہیں جنکی وجہ سے آدمی کی بخشش نہیں ہوتی اور کچھ گناہ وہ ہیں جو ہمارے معاشرہ کی پیداوار ہیں جن سے بچنا بھی ضروری ہے، جو بچے گا وہی اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا، اور جو گناہوں کو کرے گا تو اللہ کی رضا کا حقدار کیسے ہوسکتا ہے۔

شبِ براءت میں سات آدمیوں کی بخشش نہیں ہوگی

کئی احادیث کا خلاصہ بیان کرتا ہوں، چند احادیث میں آیا ہے کہ سات آدمیوں کی اس مبارک رات میں بخشش نہیں ہوتی الا یہ کہ وہ توبہ کرلیں اور باز آجائیں اور معافی مانگ لیں تو پھر انکی بھی بخشش ہوجائیگی۔

(۱) مشرک کی اس رات میں بخشش نہیں ہوگی، سب جانتے ہیں کہ کفر و شرک تو بہت بڑا گناہ ہے، ایسے کافر کی بخشش نہیں ہوسکتی، ہاں

اگر کافر بھی توبہ کر کے کلمہ پڑھ لے اور مسلمان ہو جائے تو اسکی بھی بخشش ہو جائے گی۔

(۲) دوسرے اُس آدمی کی بھی بخشش نہیں ہوتی جو اپنے رشتہ داروں سے ناطہ توڑ دے اور ان سے قطع تعلقی اور قطع رحمی اختیار کرے۔

قطع تعلقی اور قطع رحمی ایسا گناہ ہے جس کی وجہ سے اس رات میں بھی قطع تعلقی اختیار کرنے والے کی بخشش نہیں ہوتی، لہٰذا جن کی رشتہ داروں میں لڑائی ہو جاتی ہے اور جھگڑا ہو جاتا ہے تو وہ قطع تعلقی برقرار رکھ کر ہمیشہ کے لئے میل جول نہ چھوڑیں، شریعت میں اسکی گنجائش نہیں۔

اگر لڑائی جھگڑا ہو جائے تو تین میں سے ایک کام کرو، اگر اپنی غلطی ہے تو معافی مانگ لو، دوسرے کی غلطی ہے تو بدلہ لے لو یا معاف کر دو، اسکی گنجائش نہیں ہے کہ قطع تعلقی برقرار رکھی جائے، اگر آپ کی غلطی ہے تو بلا تاویل اسکا اعتراف کر لو اور معافی مانگ لو، اور اگر دوسرے کی غلطی ہے تو اگر آپ میں ہمت ہے تو بدلہ لے لو ورنہ معاف کر دو، معاف کرنا بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ معافی کو پسند فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ

ترجمہ

اور جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر

اللہ پر ہے۔

معاف کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اجر عطا فرمائیں گے، تو اجر ملنا بہتر ہے یا بدلہ لینا بہتر ہے؟ یقیناً اجر ملنا بہتر ہے، تو بہتری والا کام کیوں نہ کریں اس لئے معاف کرنا بہتر ہے لیکن اگر وہ نہ معاف کرے، نہ معافی مانگے، نہ بدلہ لے، تو پھر یہ شخص گنہگار ہوگا اور اسکا یہ عمل ناجائز ہے، اور لڑائی باقی رکھنا قطع رحمی ہے اور یہ ایسا بدترین گناہ ہے جس کی وجہ سے اس مبارک رات میں آدمی کی بخشش نہیں ہوتی۔

(۳) تیسرے نمبر پر کینہ رکھنے والے شخص کی بھی بخشش نہیں ہوتی، لڑائی جھگڑے میں عموماً کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور کینہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں کسی کی برائی چاہے اور اس کو تکلیف پہنچانے کا اپنے اختیار سے منصوبہ بنالے کہ فلاں فلاں نے مجھے فلاں دن ذلیل و رسوا کیا تھا، لہٰذا میں بھی موقع ملتے ہی اس کو رسوا کروں گا، دل میں بدخواہی اور اپنے اختیار سے دل میں دوسرے کی برائی چاہنے کی جو خواہش پیدا ہوتی ہے اس کو کینہ کہتے ہیں، یہ حرام اور ناجائز ہے اور بہت بڑا گناہ ہے اور ایسا گناہ ہے کہ اس رات میں اس کی بخشش نہ ہوگی جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔

کینہ کا علاج

کینہ کا علاج بھی وہی ہے جو باتیں میں نے ابھی اس سے پہلے

بیان کی ہیں کہ یا تو اسکو معاف کر دو یا اس سے معافی مانگ لو یا بدلہ لے لو اور اپنا اپنا دل صاف کرلو، اپنے دلوں کو صاف کرنا ضروری ہے، سابقہ طرز کا میل جول رکھنا ضروری نہیں ہے۔

(۴) چوتھے نمبر پر وہ آدمی ہے جو اپنی شلوار ٹخنے سے نیچے رکھتا ہو اور اس نے اس کی عادت بنا رکھی ہو، یہ بھی معاشرہ کا سنگین گناہ ہے، بچے سے لیکر بوڑھے تک ۹۹ فیصد ہر مسلمان مرد اس گناہ میں مبتلا ہے پینٹ پتلون تو ہوتی ہی ٹخنے سے نیچے ہے، اس کو کون اوپر رکھتا ہے، شلوار بھی عموماً ٹخنے سے نیچے ہوتی ہے اور جو تہبند باندھتے ہیں تو وہ بھی ٹخنوں سے نیچے باندھتے ہیں، یہ ہمارے دین میں کبیرہ گناہ ہے اور جب تک آدمی کا ٹخنہ ڈھکا رہتا ہے اس کو برابر اس کا گناہ ملتا رہتا ہے اور آخرت میں اس کا عذاب یہ ہے کہ پورے کے پورے ٹخنے جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے، حدیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ

ترجمہ

"تہبند (اور شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے رہے گا وہ جہنم میں جائے گا"۔ (مشکوٰۃ)

اور دنیا میں اسکا دوسرا وبال اور عذاب یہ ہے کہ شب برأت جیسی

مبارک رات میں بھی اسکی بخشش نہیں ہوتی، اسکی ایک وجہ یہ کہ ٹخنے چھپانا ہمیشہ سے کافروں کا طریقہ چلا آیا ہے جبکہ نبیوں کا طریقہ عبادت ہوتا ہے، کافروں کا طریقہ گن دکرنا ہوتا ہے، حضور ﷺ کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں جتنے بھی کافر تھے وہ سب آپکی جان کے دشمن تھے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمن تھے، اس سے بڑی دشمنی انکی کیا ہوگی کہ حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا اور ہجرت کرنے پر مجبور کردیا، ہر لحاظ سے آپ کو ستایا، پریشان کیا، مکہ کے ان کفاروں کا یہ فیشن تھا کہ جو جتنا بڑا کافر اور سردار ہوتا تھا اتنا بڑا اس کا تہبند زمین پر گھسنتا تھا اور بڑے آدمی کا تہبند بھی زیادہ زمین پر گھسنتا تھا، یہ مشرکین کا طریقہ تھا، جبکہ نبی اکرم ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ کا تہبند آدھی پنڈلی پر ہوتا تھا، یہ بہتر طریقہ ہے ورنہ آدھی پنڈلی سے نیچے کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ کپڑا ٹخنوں سے اوپر اوپر رہے، ٹخنے چھپنے نہ پائیں، ٹخنے چھپانے کی شرعاً گنجائش نہیں کیونکہ یہ کافروں کا طریقہ ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کا قصہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں اپنے چودہ سو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف لائے، آپ اور آپکے صحابہ مکہ سے باہر ٹھہر گئے، اہل مکہ کو اپنی آمد سے مطلع کرنے اور مذاکرات

کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ میں اپنے رشتہ دار بھی تھے اور بہت سی جائیداد بھی تھی اور اپنا گھر بھی تھا لیکن آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا چکے تھے، مکہ میں آپؓ اپنے چچا زاد بھائی کے یہاں ٹھہر گئے، رات انکے ہاں گزاری، صبح جب سردارانِ قریش سے مذاکرات کیلئے نکلے تو انکا تہبند سنت کے مطابق آدھی پنڈلیوں تک تھا، آپکے چچازاد بھائی نے آپ سے یہ کہا کہ میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ تہبند ٹخنوں سے نیچے کرلیں لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آدھی پنڈلی تک نہ رکھیں ذرا سا نیچے کریں، وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ مکہ کے بڑے بڑے سردار ہیں اور تمہیں تو سرداروں کی عادت و روایت اور طریقہ کا پتہ ہے، اگر وہ تمہارے تہبند کو آدھی پنڈلی تک اونچا دیکھیں گے تو تمہارا مذاق اڑائیں گے، اس لئے میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ ذرا سی دیر کیلئے تہبند ٹخنوں سے نیچے نہیں بلکہ صرف آدھی پنڈلی سے نیچے اور ٹخنوں سے اوپر کرلیجئے تاکہ تمہارے مذاکرات کامیاب ہوں اور تھوڑا سا بھرم ہمارا اور ہمارے خاندان کا بھی رہ جائے اور یہ اس لئے بھی تاکہ تمہاری بات میں وزن پیدا ہو، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو حضور ﷺ کے عشق میں سرشار تھے انہوں نے فوراً جواب دیا کہ مذاکرات کامیاب ہوں یا ناکام، وہ میرا مذاق اڑائیں یا عزت کریں، میں اپنے محبوب ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا، میں

یہاں مذاکرات کی کامیابی کی ضمانت لے کر نہیں آیا، میں اپنے آقا کا نمائندہ بن کر آیا ہوں، میرے سر سے پیر تک جو بھی چیز ہے وہ میرے آقا کی سیرت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے اور رہی عزت سو وہ صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔

وللّٰه العزّة ولرسوله. (المنافقون: ۸)

اور عزت صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسول کا فرمانبردار ہوگا اسکو عزت ملے گی، ان کا راستہ چھوڑ کر عزت نہیں ملے گی، چاہے یہ مذاکرات کامیاب ہوں یا ناکام ہوں، یہ مجھے اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں مجھے اسکی پرواہ نہیں ہے اور نہ میں ان کی خاطر اپنے محبوب کی سنت کو چھوڑ سکتا ہوں، یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قطعی جواب تھا۔

اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ چودہ سو سال پہلے کفار مکہ اور دشمنانِ اسلام کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنی شلواروں اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے رکھا کرتے تھے اور چودہ سو سال پہلے حضور ﷺ کی سنت اور صحابۂ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے تہبند پنڈلیوں تک بلند رکھتے تھے، انکے تہبند ٹخنوں سے اونچے ہوتے تھے، تہبند ٹخنوں سے نیچے رکھنا کفار مکہ اور سردارانِ قریش کا طریقہ تھا اور آج کے دور میں انگریز کا فیشن دیکھ لیجئے، وہ بھی یہی ہے، ہمارے مسلمان

بچوں اور مردوں نے جو آج کل پینٹ پتلون پہن رکھی ہے کیا یہ مسلمانوں کا لباس ہے؟ ہرگز نہیں یہ لباس مردود وملعون قوم انگریز کا ہے، اور بے غیرتی کے ساتھ ہم نے اسے قبول کرلیا ہے، غیرتِ ایمانی ہماری رخصت ہوگئی ہے اس لئے ہم نے بدترین قوم کا لباس اختیار کرر کھا ہے۔ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یعنی آج کے یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں اور ہم یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انکے پیچھے چل رہے ہیں، انکی غلامی کررہے ہیں، ان کا لباس عام پہنا جارہا ہے حالانکہ پینٹ پتلون کو تو کافروں کا لباس سمجھتے ہوئے معیوب سمجھنا چاہئے تھا، نہ یہ کہ اسکو اپنے جسم پر چڑھائیں، ہماری غیرت ہی رخصت ہوگئی آج بھی ہمارا جو سب سے بڑا دشمن ہے، اسلام کا دشمن ہے، مسلمانوں کا دشمن ہے، پاکستان کا دشمن ہے، اسکا لباس یہی پینٹ پتلون ہے جو آج مسلمانوں نے لاعلمی، جہالت اور ناواقفیت یا بے غیرتی کے ساتھ زیب تن کرلیا ہے، پاکستان کا قومی لباس کیا اچھا نہیں ہے؟ اگر کچھ غیرتِ قومی ہوتی تو قومی لباس پہنتے۔

بہرحال ٹخنوں سے نیچے خواہ پینٹ ہو یا پتلون یا شلوار کا کپڑا، یہ ایسا گناہ ہے کہ اگر یہ گناہ نماز میں ہو تو نماز قبول نہیں ہوتی اور جب تک آدمی

کے ٹخنے چھپے رہتے ہیں وہ برابر گناہ گار رہتا ہے، لہٰذا مردوں کو چاہئے کہ اپنے ٹخنے ہمیشہ کھلے رکھیں، مسجد میں بھی، نماز میں بھی، گھر میں بھی، بازار میں بھی، آفس میں بھی، تقریب وتفریح میں بھی، ہر حال میں ٹخنے کھلے رکھنا ضروری ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ حکم صرف نماز کے لئے ہے، ہرگز نہیں بلکہ نماز اور نماز کے بعد ہر صورت میں یہی حکم ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث ذکر کی گئی ہے، اس میں حالت نماز اور غیر حالتِ نماز کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں خواتین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ٹخنے چھپا کے رکھیں۔

(۵) نیز والدین کی نافرمانی کرنے والے شخص کی بھی بخشش نہیں ہوتی، والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے تین مرتبہ انتہائی تاکید کے ساتھ ہم سے فرمایا:

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ، وَشَہَادَۃُ الزُّوْرِ (اوقول الزور).

ترجمہ

"سنو! میں تمہیں بڑے گناہوں میں بڑے گناہ بتاتا

ہوں:

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانہ۔

(۲) ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

(۳) جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات کہنا۔''

(مسلم: ۸۷)

نیز قرآن کریم میں جابجا اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے، بلکہ اس کی تاکید بھی فرمائی ہے۔ اس لئے جو لوگ والدین کی نافرمانی میں مبتلا ہیں ان کے لئے یہ بڑی سخت اور سنگین وعید ہے کہ اس مبارک رات میں بھی ان کے گناہوں کی مغفرت نہیں ہوتی، لہٰذا ان پر لازم ہے کہ وہ بلا تاخیر اپنے والدین سے معافی مانگیں، اپنے قول وفعل سے ان کو راضی کریں اور جائز امور میں ان کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

(۶) چھٹے نمبر پر شرابی انسان ہے، یعنی جو شراب پینے کا عادی ہو، اس رات اس کی بھی بخشش نہیں ہوتی، شراب نوشی شریعت میں حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی واضح الفاظ میں اس کی حرمت ارشاد فرمائی ہے:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ.

(اخرجه مسلم: ۲۰۰۳)

ترجمہ

''ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور شراب حرام ہے''۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِیْ الدُّنْیَا لَمْ یَشْرَبْهَا فِیْ الْآخِرَةِ إِلَّا أَنْ یَّتُوْبَ۔ (اخرجه البخاری ۵۵۷۵، ومسلم ۲۰۰۳)

ترجمہ

''جو آدمی دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت کی شراب نہیں پی سکے گا الا یہ کہ وہ توبہ کر لے''۔

(۷) ساتویں نمبر پر اس رات جس کی بخشش نہیں ہوتی وہ وہ انسان ہے جو ناحق کسی مسلمانوں کا خون بہاتا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''۱۰/ذی الحجہ ۹ھ'' کو بمقام منیٰ ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ، حَرَامٌ عَلَیْكُمْ كَحُرْمَةِ یَوْمِكُمْ هٰذَا، فِیْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِیْ شَهْرِكُمْ هٰذَا۔ (اخرجه مسلم: ۱۶۷۹)

ترجمہ

''بلاشبہ تمہارے خون، تمہارے مال و متاع، اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے ہی محترم ہیں، جیسے آج کا یہ دن، جیسے

تمہارا یہ شہر، اور جیسے یہ مہینہ محترم ہے''۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أول ما يقضى بين الناس يوم القيامة في الدماء.

(أخرجه البخاري: ۲۵۳۳، و مسلم ۔ ۱۶۷۸)

ترجمہ

''قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلا فیصلہ ''خون'' کے متعلق ہوگا''۔

یہ سات گناہ وہ ہیں جن کے کرنے والے انسانوں کی بخشش اس شب مغفرت میں بھی نہیں ہوتی، لہٰذا ہم سب پر لازم ہے کہ ان سات گناہوں سمیت تمام گناہوں سے سچے دل سے گڑگڑا کر توبہ کریں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کریں، اور جو کرنے والے کام ابھی بیان ہوئے ہیں وہ کریں اور جو نہ کرنے والے کا بیان ہوئے ہیں ان سے مکمل اجتناب کریں، تاکہ اس رات ہماری بھی مغفرت ہو جائے، ہمیں اللہ پاک کی خوشنودی اور حقیقی رضا حاصل ہو جائے، اور ہم دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہو جائیں، اللہ پاک ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

ہماری اہم مطبوعات

ایک نظر میں